لمحات

از شاہ ولی اللہ دہلوی

مترجم
پیر محمد حسن

ادارۂ ثقافت اسلامیہ
کلب روڈ ، لاہور

طبع اول ، جون ۱۹۶۶
تعداد ایک هزار

محمد اشرف ڈار (سیکرٹری) نے انفائن پرنٹنگ پریس ، لاهور ،
سے چھپوا کر ادارۂ ثقافت اسلامیہ کے لیے شائع کیا

دیباچہ

اگر یہ صحیح ہے کہ امت میں موقع موقع سے دین کا احیا و تجدید کرنے والے مجددین پیدا ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا نام نامی متاخرین میں سرفہرست ہونا چاہیے۔ شاہ صاحب کی بڑی خصوصیت ان کی جامعیت افکار ہے۔ کلام، فقہ، تفسیر، حدیث، مناقب، سیاست، اخلاق، تصوف، تاریخ، روحانیت، غرض جس سمت ان کا رخش قلم دوڑتا ہے پڑھنے والے کو محسوس ہوتا ہے کہ شاہ صاحب اسی میدان کے اصلی شہسوار ہیں۔ ازالۃالخفاء، حجۃاللہ البالغہ، مسوی، مصفیٰ، لمعات، فیوض‌الحرمین، الفوزالکبیر، وغیرہ شاہ صاحب کی وہ تصانیف ہیں جو دنیائے تصنیف و تالیف میں آفتاب و مہتاب کی طرح درخشاں رہیں گی۔ انہی کی ایک تالیف ''لمحات'' بھی ہے جو آپ کے پیش نظر ہے۔ اس کتاب میں الگ الگ لمحے ہیں اور ہر لمحہ ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ اس میں توحید، وحدت وجود و شہود اور دوسرے مسائل تصوف و کلام کے متعلق جو موتی بکھیرے ہیں ان کا صحیح اندازہ پڑھنے کے بعد ہی ہو سکے گا۔ یہ ضرور ہے کہ یہ کتاب ایسی نہیں جو سرسری طور پر پڑھ کر ختم کر لی جائے۔ اسے تو غور و فکر کے ساتھ بار بار مطالعہ کیا جائے تو مندرجہ حقائق سے کماحقہ آگاہی

هو سکتی ہے ۔ مترجم نے اگرچہ بہت زیادہ صاف ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے لیکن پھر بھی فنی کتابوں کے ترجمے میں کچھ دشواریاں ہوتی ہی ہیں اور ان گتھیوں کو غور و فکر کے بعد ہی سلجھایا جا سکتا ہے ۔

لمحات

الحمد لله رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیدالمرسلین
وآلہ و اصحابہ اجمعین

لمحہ ۱

ھر معلول حادث ھے کیوں کہ اس کی علت اس سے پہلے موجود ھوتی ھے اور ھر حادث تغیر پذیر ھے کیوں کہ اس سے پہلے اس کا پیدا کرنے والا اور متغیر کرنے والا موجود ھوتا ھے ۔ نیز ھر وہ چیز جو دو چیزوں سے مرکب ھو اس سے پہلے اس کے اجزا موجود ھوتے ھیں اور ھر وہ چیز جس کی حقیقت اور شخصیت محقق ھو اس سے پہلے اس کی اس حقیقت کا ھونا ضروری ھے جس سے یہ نوع معرض وجود میں آئی ۔

لہذا اول الاشیاء اور مبدء کل کے لیے یہ ضروری ھو گیا کہ وہ نہ معلول ھو نہ حادث ، نہ مرکب ھو اور نہ کسی ماھیت اور وجود سے محقق ھوا ھو ۔

لمحہ ۲

یہ خیال نہیں کرنا چاھیے کہ اول الاوائل موجود کا ایک فرد ھے اور نہ یہ کہ وجود اسے اسی طرح اپنے اندر لیے ھوئے ھے جس طرح ایک کلی اپنی جزئیات میں سے کسی

ایک جزئی اور فرد پر مشتمل ہوتی ہے ۔ بات اس طرح نہیں ہے بلکہ اول الاوائل اس بہت ہی عام مفہوم کا تمام جہات سے احاطہ کیے ہوئے ہے اور ہر جہت سے اسے اپنے اندر شامل کیے ہوئے ہے کیوں کہ وجود خود اس وقت مفہوم مستقل کا درجہ حاصل کرتا ہے جب ان حقائق کی طرف سرسری نگاہ پڑے جن سے بہت سے متباین آثار کا ظہور ہوتا ہے اور اس طرح عدم اور وجود میں امتیاز پیدا ہو جاتا ہے ۔ مگر اول الاوائل کی حقیقت کا امتیاز کسی اور حقیقت سے نہیں کیا گیا ، لہٰذا اس لحاظ نے ذہنوں میں ایک صورت پیدا کر دی جس کا نام وجود رکھا گیا ۔ تمام حقائق کا مرجع اول الاوائل ہے اور اسی میں آکر وہ ختم ہو جاتے ہیں ۔ لہٰذا جو وجود اس اعتبار سے پیدا ہوا ہو اس کا کیا حال ہوگا ؟

؏ لمحہ ۳

یوں خیال نہ کرنا چاہیے کہ اول الاوائل کی ضرورت صرف سلسلۂ امکانیہ کے منقطع ہونے پر پڑتی ہے ؛ اگرچہ جب ہر طبیعت امکانیہ والے کی طبیعت کا تحقق اول کے ہاں ہوتا ہے تو اسے اول کی ضرورت پڑتی ہے ، یہاں تک کہ اگر اول سے کوئی چیز صادر ہو اور پھر اس صادر سے کوئی اور صادر وجود میں آیا ہو تو دوسرے صادر کا احتیاج صرف پہلے صادر کی طرف ہوگا ، اگرچہ یہ صادر خود اول الاوائل کا محتاج ہے ۔ یہ بات بھی اس طرح نہیں ہے بلکہ طبیعت امکانیہ جب درحقیقت وجود یا ماھیت میں آجائے (تو اسے اول الاوائل کی ضرورت رہتی ہے) اور ہر چیز جسے تو 'واحد' کی طرف نسبت دے تو یہ نسبت اسی طرح ہوگی جس طرح 'واحد' کی دیگر

مراتب اعداد کے ساتھ ہوتی ہے ، یعنی 'واحد' 'دو' سے پہلے ہوگا۔ یہی حال ہر عدد کا ہے ، یہاں تک کہ دونوں ایک ہوجائیں اور اللہ کی مثال تو اس سے بھی اعلیٰ و ارفع ہے۔

لمحہ ۴

ہر چیز جو اس چیز سے متغایر ہو جو اس سے جدا کی گئی ہے تو اس میں دو باتیں پائی جائیں گی ــ یا تو یوں کہیں گے کہ وہ وہی ہے یا کہیں گے کہ وہ وہی نہیں ہے۔ لہٰذا اس صورت میں یہ مرکب ہے اور اپنے اندر کثرت کو لیے ہوئے ہے اور اس سے پہلے اور چیزیں موجود ہیں۔ لہٰذا ضروری ہوگیا کہ اول ایک ایسی چیز ہو جو دیگر اشیا کے مزاحم نہ ہو۔ اب ہم مادہ اور صورت وغیرہ کی مثال دے کر بیان کرتے ہیں ، اگرچہ اول الاوائل کا معاملہ ایسا ہے کہ اس کی مثال نہیں دی جا سکتی۔

موم کا وجود ان مورتیوں کے وجود سے نہیں ٹکراتا جو موم سے بنائی گئی ہوں۔ (اسی طرح) وجود انسانی افراد انسانی کے وجودوں سے نہیں ٹکراتا اور 'ملکہ' کا وجود ان افعال کے وجود سے نہیں ٹکراتا جو اس سے صادر ہوں۔ اسی طرح ہر اعلیٰ وجود اپنے سے نچلے وجود سے نہیں ٹکراتا بلکہ وہ وہی چیز بھی ہے اور اس کے ساتھ بھی اسی طرح ہے جس طرح اوروں کے اندر اور اوروں کے ساتھ۔ نہ تو اسے فی نفسہٖ متعین کیا جا سکتا ہے اور نہ اس پر خصوصیت کے ساتھ کوئی حکم لگایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ علم کا تعلق نہیں ہو سکتا ، اس لیے کہ علم ہو جانے سے اس کی تعیین ہو جاتی ہے حالانکہ نہ زمان و مکان اس کا احاطہ کر سکتے ہیں اور نہ

حس یا وہم اس کا ادراک کر سکتے ہیں ۔

لمحہ ۵

اول کی صفات ایسی ہیں جو فی نفسہ اس کی کبریائی کی تفسیر ہیں ، مثلاً وجود ، تعین ، حیات اور علم ۔ ان صفات کا قانون کلی یہ ہے کہ جب تو کسی پاس والی چیز کو دیکھے اور وہ تجھے پسند آجائے اور پھر تو اسے 'اول' میں تلاش کرے تو دیکھے گا کہ اول بدوں اس کے کہ وہ کوئی زائد صفت حاصل کرے بذاتہ اس سے مستغنی ہے ۔

اس کے افعال محکم اور اس کے اضافات مضبوط ہیں ۔ اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر یہ افعال ابداع کی طرف راجع ہوں تو صادر اول سب کا قائم مقام ہو جائے گا ۔ اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ یہ اول سے متصل ہے صادر اول کا صادر ہونا بعینہ تمام عالم کا صادر ہونا سمجھا جائے گا ۔

یا ان افعال کا مرجع خلق کی طرف ہوگا تو اس صورت میں شخص اکبر کے فیضان میں تمام اشخاص آجائیں گے کیوں کہ

ہاتھی * کے پاؤں میں سب کا پاؤں

یا ان کا مرجع تدبیر اور تدلی کی طرف ہوگا جس میں یا تو یہ شرط پائی جائے گی کہ اللہ نے انہیں پیدا کیا یا ان پر تجلی ڈالی ہے جس طرح کشتی سوار جو کشتی کی حرکت سے متحرک ہوتے ہیں ، یا جس طرح لکھنے والا کہ اس،

*اصل کتاب میں 'کل الصید فی جوف السفری' دیا ہے ۔ اسے 'فی جوف الفرا' پڑھیں ۔ فرا دراصل 'گورخر' کو کہتے ہیں ۔ 'کل الصید فی جوف الفرا' عربی کی ضرب المثل ہے جس کا اردو میں متقابل 'ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں' ہے ۔

حالت میں انگلیوں کا حرکت میں آنا ضروری ہوجاتا ہے -

اس کا ایک خاص اسلوب ہے جو ہر ہیئت اور نسبت سے اس کی حفاظت کرتا ہے - اس کا ضابطہ یہ ہے کہ یہ ایسے امور ہیں جو ادراک کرنے والے کے ذہن میں اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب کہ اس کی توجہ ، خواہ اجمالی طور پر ہی کیوں نہ ہو، ایک طرف تو اول الاوائل کی کبریائی کی طرف ہوتی ہے اور دوسری طرف متمثلہ ہیئتوں میں سے کسی ایک ہیئت کی طرف ہوتی ہے -

لمحہ ۶

واحد کا لفظ کئی معنوں میں مستعمل ہے - چناں چہ زید کو شخص کے اعتبار سے واحد کہیں گے ، اگرچہ اس کے اجزا بہت ہیں ، اور انسان اپنی نوع کے اعتبار سے واحد ہے حالانکہ اس کے افراد کثیر التعداد ہیں - حیوان جنس کےاعتبار سے واحد ہے اگرچہ اس کی انواع بہت ہیں - واحد کہلانے کا سب سے زیادہ حق دار وہ مفہوم ہے بالخصوص مبدا کے اعتبار سے جو لفظ 'کن' کے کہنے سے یک بار موجود ہو گیا ہو یا ایک ہی اقتضا اور ایک ہی قوت سے پیدا ہوا ہو یا ایک ہی شخص کا سایہ ہو - ان میں سے جو تمھارا جی چاہے کہ لو -

لمحہ ۷

حق بات یہ ہے کہ اول سے ایک ہی چیز صادر ہوتی ہے ، وگرنہ تمھارا یہ کہنا کہ 'یہ دو چیزیں ہیں' بمقابلہ یہ کہنے کے کہ ' وہ دونوں ایک ہی ہیں ، کیسے بہتر ہوا ؟ لہٰذا ضروری ہوگیا کہ ان کے صادر ہونے کا دارومدار

دو قوتوں ، فاعل اور قابل، پر ھو جن کی روشنی فاعل پر پڑتی ھے اور اس طرح کل میں کثرت پیدا ھو جاتی ھے۔

اس صادر کے لیے یہ ضروری نہیں کہ بعض متقابل چیزوں کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کے ساتھ مخصوص ھو جائے، بلکہ اس کی حقیقت کے لیے ضروری ھے کہ وہ دوسرے حقائق سے مزاحم نہ ھو - اس کی نسبت اشیا کی طرف وھی ھوتی ھے جو سیاہ خط کی نسبت کتابت کے نقوش کے ساتھ ھوتی ھے - ھم اس کی مثالیں پہلے دے چکے ھیں - لہٰذا منبسط وجود کے سوا کوئی اور وجود اس قسم کا نہیں ھو سکتا اور منبسط وجود وھی ھے جس کی طرف ' زید فی الخارج ' (زید خارج ھے) کہنے سے خارج میں اشارہ کیا جاتا ھے - جب ھم کہتے ھیں ' زید فی الاعیان، تو لفظ اعیان کے ساتھ اشارہ کیا جاتا ھے اور جب ھم کہتے ھیں ' زید متحقق ھے حالانکہ پہلے ایسا نہ تھا' تو تحقق کے لفظ کے ساتھ اشارہ کیا جاتا ھے - ایسا کیوں نہ ھو جب کہ ھر وہ چیز جو خارج اوراعیان میں موجود ھو اس سے پہلے خارج اور اعیان کا موجود ھونا ضروری ھے؟ اسی طرح ھر تحقق سے پہلے تحقق ھوتا ھے (جو وجود منبسط سے عبارت ھے)۔

لمحہ ۸

پہلی چیز جو تمھارے فکر میں آتی ھے یہ ھے کہ یہاں ایک ایسی چیز ھے جسے ھم وجود فی الاعیان یا وجود فی الخارج کا نام دیتے ھیں - اس کے مقابلہ میں ایک اور چیز ھے جسے ھم عدم کہتے ھیں -

ھم بعض اوقات کسی ماھیت کا تصور کرتے ھیں اور اس کے وجود میں شک بھی گذرتا ھے یا ھم اس کے معدوم

ہونے کا قطعی فیصلہ دے دیتے ہیں مگر اس کے باوجود سچے احکام اس پر لگائے جاتے ہیں ۔

اور کبھی وجود کا تصور کرتے ہیں مگر ہم کسی قسم کی ماہیت کا تصور نہیں کرتے۔ چناں چہ جب تو یہ کہے 'السواد موجود'، تو اس سے وہ مفہوم ادا ہوتا ہے جو 'السواد سودا'، کہنے سے ادا نہیں ہوتا۔ برعکس اس کے تو ماہیت کی صفت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ موجود ہے، اس کے بعد دوسری، اور ان دونوں حالتوں میں ایک ہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔ یہاں سے ثابت ہوگیا کہ (وجود اور ماہیت) دو الگ الگ چیزیں ہیں اور وجود کا مفہوم ایک ہے جو ماہیات کے اندر ثابت ہے لیکن اس مسئلہ کی تشریح کا حق اسی وقت ادا ہوگا جب تو ان کا کلی طور پر احاطہ کرے اور یہ جان لے کہ یہ دونوں اپنی ذات میں کیا ہیں۔

جو ہم کہہ رہے ہیں اسے غور سے سن لو اور تفصیل کو چھوڑ کر اجمال پر اکتفا کرو۔

لمحہ ۱

وجود فی الخارج یا وجود فی الاعیان جیسا کہ ان دونوں عبارتوں سے سمجھ میں آتا ہے ایک امر انتزاعی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں، سوائے اس کے کہ تمھارے ذہن میں اس کی مثالی صورت ہوتی ہے۔ لیکن اس کا انتزاع ایسا نہیں کہ وہم حقیقت نفس الامری پر اعتماد کیے بغیر خود ہی اسے اختراع کرے بلکہ نفس الامر میں اس کی حقیقت موجود ہوتی ہے۔ اگر ہوگی تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ 'موجود' ہے اور 'لیس بموجود' کہنا غلط ہوگا۔ اگر نفس الامر میں

اس کی حقیقت موجود نہ ہوگی تو معاملہ برعکس ہوگا ۔ زیادہ حق اسی حقیقت کا ہے کہ اس کا اعتبار کیا جائے۔ یہ کہنا بھی کوئی صحیح نہیں کہ اس کا حال ان اعراض کا سا ہے جو جواہر پر طاری ہوتے ہیں ۔ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ اعراض اس وقت تک طاری نہیں ہوتے جب تک کہ جواہر جن پر وہ طاری ہوئے ہیں ثابت نہ ہو جائیں ۔ اور نہ اس کا معاملہ کسی شے کے عنصر ، طینت اور شمع کا سا ہے جہاں قابل اور مقبول الگ الگ ہوتے ہیں ؟ اس لیے ان دونوں کے درمیان صرف عقل ہی امتیاز کر سکتی ہے بلکہ حق بات تو یہ ہے کہ جس طرح کہ تو زید اور عمرو کو دیکھ کر ان سے 'انسان ، کا انتزاع کرتا ہے اور اس انتزاع کا سبب ان دونوں میں موجود اور ثابت ہوتا ہے ، یا جس طرح کہ تو انسان اور گھوڑے کو دیکھتا ہے اور ان دونوں سے 'حیوان، کا انتزاع کرتا ہے اور یہاں بھی اس انتزاع کا سبب دونوں میں ثابت ہوتا ہے ۔ اسی طرح تو تمام ماہیات کی طرف اجمالی نظر دوڑاتا ہے اور ان سے 'وجود، کا انتزاع کرتا ہے اور اس التفات کا سبب بھی ان میں ثابت ہوتا ہے۔ چناں چہ کہتے ہیں کہ اس انتزاع کا منشا ذات شے ہے۔ 'من حیث ھو فی الخارج، یا 'من حیث ھو فی الاعیان ـ بعینہٖ اسی طرح جس طرح ہم کہتے ہیں کہ 'زید انسان ہے ، اس لیے کہ انسانیت عمرو ، بکر اور دیگر بنی نوع انسان میں مشترک ہے ۔

وجود درحقیقت جنس الاجناس اور ذات الذاتیات ہے مگر چونکہ اشیا کی پہچان ضد سے ہوتی ہے اور طبیعت الوجود کی کوئی ضد نہیں اس لیے انسان اسی وقت ان سے آگاہ ہوتا ہے جب احکام میں مخالفت پائی جائے ؛ چنانچہ کبھی

یہ احکام نہیں پائے جاتے اور کبھی پائے جاتے ہیں - وجود میں من حیث الوجود کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا اور نہ یہ کسی اعتبار سے معدوم ہوتا ہے۔ لہذا یہی قرار پایا کہ اسے نہ ذات، نہ جنس اور نہ کوئی اور چیز شمار کیا جائے۔

لمحہ ١٠

ہر جنس اور اس کی انواع میں اصلی امتیاز پایا جاتا ہے اور ہر ذات اور اس کی ' ذاتی ' کے متعلق بھی امتیاز حاصل ہے اور اگر تو اچھی طرح سے دیکھے تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ تمھارے ادراک میں اس چیز کے تحلیل کرنے کا مادہ پایا جاتا ہے - چناں چہ بعض اوقات تو اجمالی طور پر ماہیات کو دیکھتا ہے اور ان سے اجمالی وجود کا انتزاع کرتا ہے اور کبھی تو کسی خاص ماہیت کا ملاحظہ کرتا ہے اور اس سے وجود کے اس حصہ کا انتزاع کرتا ہے جو اس ماہیت کے ساتھ خاص ہے اور اجمالی کچھ اور ہے اور خاص کچھ اور - چناں چہ جب 'السواد موجود' کہا جاتا ہے تو اس سے وہ مفہوم ادا ہوتا ہے جو 'السواد لون' سے ادا نہیں ہوتا - بعض اوقات کسی ماہیت کے لیے فی نفسہا یا اس کے لوازم یا فاعل یا قابل میں تقرر و تعین پایا جاتا ہے ، مثلاً یہ شخص زید ہے اور وہ ابن عمرو ہے ، زنگی ہے، عالم ہے، کاتب ہے اور پھر ضاحک (ہنسنے والا) ہے - مدارک عالیہ میں اس کے عنصری ظہور سے پہلے ہی اس کے وجود کا تحقق ہو چکا ہے اور اس کا وجود اپنے عنصر قابل میں فیضان سے پہلے 'امکان' کے درجہ میں ہوتا ہے - اسی وجہ سے ہر تقرر کے اعتبار سے کسی مفہوم کا انتزاع درست ہوتا ہے جسے تم وجود کا نام

دیتے ہو ۔ لہٰذا تم ایک اعتبار سے ماہیت کو موجود پاتے ہو اور تم وجود کے اعتبار سے بالکل بے پروا ہو جاتے ہو اور یوں کہتے ہو: یہ چیز پہلے موجود نہ تھی ، پھر موجود ہوئی ۔ حق بات یہ ہے کہ تمھارے نزدیک اس کے وجود کے ساتھ اس کی مثال تو صحیح طور پر ظاہر ہوگئی لیکن تو نے بھول جانے کا بہانہ بنا لیا ۔ اسی طرح کبھی تم مجہول مطلق اور معدوم مطلق پر صحیح احکام لگاتے ہو جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ تو اپنے ذہن میں ان پر وجود کا لباس پہنا دیتا ہے ۔ اگر تو چاہے تو معدوم مطلق کی بجائے موجود کہ دے اور مجہول کی بجائے معلوم، جس سے یہ سچے علوم کے لیے انکشاف کا کام دیں مگر اس کے بعد پھر تو انھیں بھلا دے ۔

لمحہ ۱۱

اس جہاں میں صُوَر ہیں اور اعراض ہیں جنھوں نے ان صُوَر کے گرد جال سا بنا رکھا ہے اور ہیولیٰ ہیں جو ان صُوَر کے بالذات محل ہیں مگر ان اعراض کے بالتبع محل ہیں ۔ صورت چڑھتی چڑھتی صورت عالیہ تک جا پہنچتی ہے اور تمام صورتیں ان کی شرح و تفصیل ہیں ۔ اعراض کا ارتقا اجمالی حکم تک ہوتا ہے ۔ ہر حکم کی وسعت دائرہ کی ہوتی ہے اور ہیولوں کا ارتقا ہیولیٰ مطلقہ کی طرف ہوتا ہے اور ہر ہیولیٰ ہیولیٰ مطلقہ کا تعین کرتا ہے اور صورت عامہ ہیولیٰ مطلقہ کے اندر حلول کی ہوئی ہوتی ہے جو اجمالی حکم کو برقرار رکھے ہوئے ہوتی ہے ، شخص واحد ہوتی ہے اور ایک وجہ سے ظل ہوتی ہے ۔ لہٰذا کسی اعتبار سے بھی جو چیز اس شخص میں پائی جائے گی اس کا وہی حکم ہوگا جو

وجود فی الاعیان یا للاعیان کا اور ہر وہ چیز جو اس سے اوپر ہوگی تو اسے وجود فی الاعیان یا للاعیان کہنا مناسب نہیں ۔ البتہ تسامح سے ایسا کہہ سکتے ہیں ۔ لہٰذا جو شخص یہ چاہے کہ 'متعالی' اور سافلات کے درمیان ایک جامع اسم رکھ دے جس کا نام وجود یا سمع یا بصر یا قدرت وغیرہ ہو تو اس نے حد سے تجاوز کیا ۔

ہاں جب کوئی اور راہ نہ ملے تو عقل بھی آرام (استرواح) ڈھونڈتی ہے ۔ جس طرح کہ شریعت میں 'رخصتیں' ہوتی ہیں جن کی بنا مکلفوں کی کمزوری پر ہوتی ہے اسی طرح عقلی استرواح یہ ہے کہ (اول الاوائل) کو وجود (فی الاعیان) سے موصوف کیا جائے ۔ شرعی رخصتوں میں سے یہ قول ہے : اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے ، اس کے کان ہیں ، بصر ہے ، ہاتھ ہیں ، چہرہ ہے ، غضب ہے ، رحمت ہے ، حالانکہ اس ذات برتر جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سمیع و بصیر ہے ۔

لمحہ ۱۲

کسی شے کا تقرر 'بذاتہ' ہوتا ہے یا 'من ذاتہ' اور یہ کسی اور کی محتاج نہیں ہوتی ۔ یا اس کا تقرر 'لغیرہ' ہوتا اور یہ اس غیر کی محتاج ہوتی ہے ۔ پہلے کو واجب اور دوسرے کو ممکن کہتے ہیں ۔ ہر وہ چیز جس کا وجود اور تحقق واجب کے ایجاد کرنے اور تحقیق کرنے سے ہو تو اس چیز کے بالمقابل ایک کمال اور ایک اقتضا ہوگا ۔ یہ کمالات اور اقتضاآت ، جیسا چاہو کہہ لو ، ان اشیا کے صادر ہونے کے مبدا ہیں ۔ لہٰذا ہر کمال ایک خاص چیز کا مقتضی ہے اور ہر چیز کا سہارا ایک خاص کمال پر ہے جیسے کہ یہ

کمالات اور یہ اشیا ایک ھی چیز ھیں - فرق صرف اتنا ھے کہ کمالات واجب کے لوازم اور اعتبارات ھیں اور اشیا معلومات ھیں جو اس سے صادر ھوتے ھیں - لہٰذا یہ جہان تمام کا تمام کمالات میں لپٹا ھوا ھے اور کمالات کا انکشاف عالم (جہان) سے ھوتا ھے اور اول الاوائل ھر چھوٹی بڑی چیز کو اپنی ذات کے تصرف سے گھیرے ھوئے ھیں - یہی حال شخص اکبر کا ھے باعتبار ان اشیا کے جو اس کے اندر ھیں - اب ھم اسی طی و نشر کی مثال بیان کرتے ھیں -

لمحہ ۱۳

کیا حساب دان اپنے تصور میں عدد کے مراتب کو موجود نہیں کر لیتا ؟ لہٰذا وہ ایک سے ایک اور نکال لیتا ھے اس طرح کہ وہ نظر کو دو بار اس طرف کر لیتا ھے جس سے دو بن جاتے ھیں - پھر تین بار نظر کرنے سے وہ اس میں سے ایک اور ایک اور ایک نکالتا ھے جس سے تین بن جاتے ھیں - چناں چہ وہ اس طرح ایک ایک کرکے نکالتا جاتا ھے جس سے اکائیوں ، دھائیوں ، سینکڑوں اور ھزاروں کے مراتب بن جاتے ھیں - اس کے بعد وہ ان ھندسوں کو جس قدر کہ اس کی عقل میں سما سکیں ایک دوسرے کے ساتھ ملاتا ھے جس سے غیر متناھی امور بن جاتے ھیں مگر نہ تو وہ جفت کو طاق اور نہ طاق کو جفت بناتا ھے اور نہ ان میں تقدیم و تاخیر کرتا ھے - برعکس اس کے جس طرح طبیعت عددیہ کا تقاضا ھے اسی طرح ان کو رکھتا ھے - ان سے سرمو انحراف نہیں کرتا اور وہ کر بھی کیسے سکتا ھے ؟

یہ سلسلہ جو ھم نے ایجاد کیا ھے اسے ھم اعداد کی طبیعت

کو جاننے کے لیے آئینہ بنا لیتے ہیں اور یہ تمام سلسلہ 'واحد' کے اندر ہے ۔ یہیں سے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اس عددی سلسلہ کا مخفی راز واحد کے اندر پایا جاتا ہے تاکہ یہ تمام اجزا میں ان سے مطابقت کرے ، اور یہ پوشیدہ سلسلہ عالم فرض و تقدیر میں مرتبہ بہ مرتبہ لانہایت تک پھیلتا رہتا ہے ، اس طرح کہ ہر مرتبہ اپنے خواص کے ساتھ متعین اور ماہیت اور احکام کے لحاظ سے متمیز ہوتا ہے ۔ یہ پھیلاؤ مناسب اور حصر کرنے والا ہوتا ہے جو حساب دان کے احاطہ کو مدنظر رکھتے ہوئے غیر متناہی ہوتا ہے مگر واحد کے اعتبار سے متناہی ہوتا ہے اس لیے کہ عدد اسی واحد سے بنا ہوتا ہے ، کسی اور سے نہیں ۔ ہر مرتبہ خاص قسم کے اشتقاق سے نکلتا ہے ۔

ہر وہ عدد جس کا صادر ہونا 'واحد' سے ممکن ہو وہ ہر لحاظ سے صادر ہوتا ہے اور جو صادر نہ ہو وہ ممتنع الصدور (غیر ممکن الصدور) ہوتا ہے ۔ جس جہت سے بھی اشتقاق واقع ہو، اس میں سے جو بھی مشتق عدد نکلے گا وہ لازمی طور پر اسی کی پیروی کرے گا ۔ یہ سب کے سب حصر و انتہا کے طریقے ہیں خواہ کسی نوع میں ہوں ۔ لہٰذا اب عدد کے دو کمال ہوئے — ایک کمال ظاہری جو عقلی تحقق اور نفس محاسب کی قیومیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہوتا ہے اور دوسرا کمال باطن جو امکان و تقدیر اور واحد کی قیومیت کو خیال رکھتے ہوئے ہوتا ہے ۔

لمحہ ۱۴

وہ امور جو تمھارے سامنے اور تمھارے دیکھنے اور سننے میں آتے ہیں یہ سب کے سب بذات خود اشخاص ہیں ۔ ہو سکتا ہے کہ تو ایسے 'اشخاص' کا ملاحظہ کرے جو تمام حقیقت

میں ایک دوسرے سے متفق ھیں اور ان کا اختلاف صرف شخصیت اور اس کے تابع امور میں ھو۔ یہ بھی ھو سکتا ھے کہ تو ایسے اشخاص کا ملاحظہ کرے جو تمام حقیقت میں تو مختلف ھوتے ھیں مگر حقیقت کے ایک جز میں ان کا پورا اتفاق ھوتا ھے ۔ مزید برآں یہ بھی ھو سکتا ھے کہ تو ذھن میں صورت انسانی کو حاضر کرے اور اس کے اور ان اشخاص کے حال پر غور کرے جو اس سے متحد اور اس سے پہلے اس صورت میں ھو چکے ھیں ۔ تو یہ پائے گا کہ ان سب اشخاص میں صورت انسانیہ کے وجود کا احتمال ھے اور صورت انسانیہ اپنی ذات کے حدود کے اندر رہ کر اپنی ذاتیات ، قویٰ ، آثار اور خواص کے ساتھ ایک متعین چیز ھے اور اس کے فرائض و حدود مقرر ھیں ۔ اگر یہ صورت انسانیہ اس مادہ میں پائی جائے جو فلاں عورت کے رحم کے اندر فلاں دن اور فلاں ملک اور فلاں مزاج میں جمع ھو چکا ھو تو وہ زید ھوگا اور اگر کسی اور مادہ میں فلاں دن ، فلاں ملک اور فلاں مزاج کے ساتھ پایا جائے تو وہ عمرو ھوگا۔ علیٰ ھذا القیاس دیگر انسانوں میں بھی اسی طرح ھوگا ، کیوں کہ طبیعت انسانیہ اپنی وحدت کے اندر تمام اشخاص میں بحیثیت انسان کے پائی جاتی ھے ، زید ، عمرو ، بکر کی حیثیت سے نہیں ۔ اس سے مراد یہ ھے کہ انسان اس طبیعت انسانیہ کی 'ذاتی' ھے اور زید یا عمرو ھونا تو احوال ھیں جو اعراض کی وجہ سے انسان پر طاری ھوتے ھیں ۔ انسانیت بمنزلہ جوھر کے ھے اور احوال بمنزلہ ان عوارض کے ھیں جو بعض پر طاری ھوتے ھیں اور بعض پر نہیں ۔ انسانیت اور انسانیت کے احکام میں اشخاص اور احکام سب کے سب بلحاظ جوھر ایک جیسے ھیں جو سیدھے قامت ، خلقت

اور صنعت کا تقاضا کرتے ہیں ۔ اگر زید اس قامت کے ساتھ سرخ رنگ والا ، خوب صورت چہرے والا ، موٹی اور سیاہ آنکھوں والا پایا جائے تو یہ ان احکام پر منطبق آئے گا اور اگر عمرو اس سیاہی اور رنگ میں بدصورت اور تنگ آنکھوں والا پایا جائے تو وہ بھی ان احکام پر منطبق ہوگا ۔ اس طرح اشخاص و افراد کے احکام کی ہر چیز میں احکام نوع کی صرف توسیع و تفصیل ہوتی ہے اور بس ۔

اس کے بعد تجھے اختیار ہے کہ تو اس سے حیوانیت کی طرف منتقل ہو جس میں انسانیت اور فرسیت (گھوڑا ہونا) وغیرہ اپنی محدود حدود کے اندر متحد ہو جائیں ، اور اس کے پہلو بہ پہلو ان کے بھی چند فرائض ہوں گے ۔ ہر وہ امر جو انسان اور فرس کے علیحدہ علیحدہ ہوتے وقت انسان کو متمیز کر دے اسے صرف احکام حیوانی کی تفصیل شمار کیا جائے گا ۔ پھر تجھے اختیار ہے کہ تو درجہ بدرجہ منتقل ہوتا جائے تاکہ یہ سلسلہ اس صورت جسمیہ پر ختم ہو جو اپنے اندر عالم اجسام کے ان تمام امور کو لیے ہوئے ہو جن کے حکم تمام احکام پر مشتمل ہیں ۔

لہٰذا تحقیق کا مرجع بالآخر یہ بات ہوگی کہ تمام کا تمام عالم صورۃ مطلقہ اور اس کے مطلق حکم میں فروض مفروضہ ہیں اور یہ امور ایک پھیلا ہوا سلسلہ ہے جس طرح کہ پوشیدہ سلسلہ واحد کے اندر پھیلا ہوا ہے ۔ باقی رہا یہ حکم کہ کلی خواہ ہزار کے ساتھ مخصوص کیوں نہ ہو شخص نہیں بن سکتی ۔ لہٰذا کلی میں شخصیت کہاں سے آ گئی ؟ اس کی اصل ہیولیٰ اولیٰ سے آئی ہے ، اس لیے کہ روح صورت کے لیے ہیولیٰ بمنزلہ جسم کے ہے یا جس طرح

گھونسلہ پرندہ کے لیے ہے ۔ اس کے بعد اپنے اپنے معدات کے اعتبار سے متعدد ہیولی بن جاتے ہیں کیوں کہ ہر سابق بعد میں آنے والے کے لیے 'مسعد' ہوتا ہے جس کے مطابق وہ شخصیات کا تقاضا کرتا ہے ۔

لمحہ ۱۵

ایک ماہیت دوسری ماہیت پر اس صورت میں متقدم ہوتی ہے کہ ایک میں کم شروط پائی جاتی ہوں اور ایک نشأۃ دوسری نشأۃ پر غالب آ جائے کیوں کہ بعض نشأتیں ایسی ہوتی ہیں جو عناصر اور قویٰ فلکیہ کے صادر ہونے اور ان دونوں کے امتزاج کے بعد ہی پیدا ہوتی ہیں جیسے موالید ۔ بعض ماہیتیں صرف اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب عام کے ساتھ تخصیص لگا دی جائے ، مثلاً انسان کی جو نسبت حیوان کے ساتھ ہے یا حیوان کی نامی کے ساتھ ، علیٰ ھذا القیاس ۔ اور بعض ایسی ہوتی ہیں جن کا مناسب کمال کسی اور چیز پر موقوف ہوتا ہے جیسے کہ روزمرہ کے حوادث جنھیں حظیرۃ القدس ، ملائکۂ اعلیٰ اور عالم مثال کے ساتھ نسبت ہے ۔

لمحہ ۱۶

تمام کا تمام عالم شخص واحد ہے جس کے احوال ہمیشہ متغیر ہوتے رہتے ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صورت جسمیہ کو مخصص کرنے والی صورتیں اگرچہ دراصل جواہر ہیں پھر بھی حقیقت اصلیہ کے مقابلہ میں تمام احوال میں کچھ عرصہ کے لیے کیفیتیں اور احوال مفارقہ ہو جاتی ہیں اور تمام

احوال چکر لگاتے رہتے ہیں اور انتہا کو پہنچ کر پھر سے شروع ہو جاتے ہیں - اور ادھر ثابت کے اندر شامل اور اس کا متقاضی ہے اور جو قوت اسے اٹھائے ہوئے ہے وہ طبیعت کایہ ہے - اس کا تقاضا مصلحت کلی میں اس وقت ہوتا ہے جب اسے مبداء المبداء اعتبار کیا جائے -

جب تو غور سے دیکھے گا تو بیشتر موجودات کے لیے طبیعت کایہ، مصلحت اور عنایت کے سوا کوئی علت نہ پائے گا، مثلاً آگ کی حرارت، پانی کی ٹھنڈک، اور فلاں جز کا قطبیت کے ساتھ مختص ہونا اور اس جہت کا حرکت کے ساتھ - وہ شخص اکبر ہی ہے جو ان کا حامل اور ان کیفیتوں سے متکیف ہے اور وہی مندمج مکنون بھی ہے - ایک ایک کر کے سب واحد میں منحصر ہیں -

لمحہ ۱۷

مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان کے کسی دور دراز علاقہ میں ایک لمبی گردن والا پرندہ ہے جس کی نوع ایک ہی پرندہ میں منحصر ہے جسے ققنس کہتے ہیں - یہ ہر وقت ایک جہت سے دوسری جہت میں پلٹتا رہتا ہے اور ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلتا رہتا ہے تا آں کہ پورا جوان ہو جاتا ہے - اس وقت اس کے اندر عشق جوش مارتا ہے اور وہ گانے لگتا ہے - اس کے بعد وہ اس سے بہت متاثر ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہ اور زیادہ گانے لگتا ہے - یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے جل جاتا ہے اور گانا بند ہو جاتا ہے اور وہ پرندہ راکھ ہو جاتا ہے - پھر موسم بہار کی بارش اس پر پڑتی ہے تو ایک کیڑے کے پیدا ہونے سے اس کا وجود

پیدا ہوتا ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح لانہایت تک چلا جاتا ہے

لمحہ ۱۸

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ برہان تطبیق اس قسم کے تسلسل کو باطل قرار دیتی ہے مگر میرے نزدیک یہ ایک مغالطہ ہے ۔ اس لیے کہ کسی ممکن کے لیے ممکن حالت کا فرض کر لینا اس بات کا موجب نہیں کہ اس کا علم ہی محال ہو جب کہ ان دونوں کے درمیان کسی لحاظ سے بھی تناقض اور تضاد نہ پایا جاتا ہو، لیکن جب تناقض یا تضاد پایا جاتا ہو تو پھر یہ قطعی طور پر محال کا سبب بنے گا جیسا کہ اس صورت میں ۔ کیوں کہ اس کی ایک طرف غیرمتناہی ہے اور دوسری طرف متناہی ۔ اور معلوم الابتدا اور غیر متناہی ہونا کمی اور بیشی کی نقیض ہے۔ لٰہذا جب اس کمی یا بیشی کو غیر متناہی جہت سے فرض کر لیا جائے تو محال لازم آئے گا، اس لیے کہ بیک وقت نقیضین کو فرض کر لیا گیا ہے ۔ لیکن جب تو انھیں متناہی ہونے کے اعتبار سے فرض کرے جس کے لیے بغیر تطبیق ایک کا باقی رہنا ضروری ہے تو پھر محال لازم نہ آئے گا ۔

لمحہ ۱۹

تمھیں اختیار ہے کہ کوئی ایک وجود فی الاعیان لے لے بایں معنی کہ یہ وجود مادے میں صورت کے حلول کے بعد حاصل ہوا ہے ۔ لٰہذا یہ درست نہ ہوگا کہ صرف مادہ کو یا صرف صورت کو 'موجود فی الاعیان' کہا جائے ۔ البتہ تو اسے فی الجملہ اس شخص کے اندر تحصل کے معنی میں لے سکتا ہے ۔

لٰہذا تو دونوں کو موجود کہہ سکتا ہے ۔

مگر حق بات یہ ہے کہ اصل میں موجود ایک ہی ہے ، ثنویت (دو) نہیں ۔ ثنویت کی بھی وجہ ہوسکتی ہے ۔ زمانہ حرکت اور تغیر کی مقدار کا نام ہے خواہ یہ حرکت حرکت وضعی ہو خواہ کیفی جیسا کہ فطرت سلیم حکم لگاتی ہے ۔ لٰہذا زمانہ کی اصل یہی شخص ہے جو غیر نہایت تک تغیرات کو قبول کرتا ہے ۔ اگر کوئی یہ کہے کہ زمانہ جوہر ہے تو اس کا کلیۃً انکار نہ کر اور اس کا محل اس شخص کو قرار دے ۔ اور جو یہ کہے ’بعد مفطور (مکان) جوہر ہے تو اس کا بھی کلی طور پر انکار نہ کر ۔

لمحہ ۲۰

جب یہ شخص (جزئی) ایک صورت کے سوا تمام صورتوں سے خالی ہو جائے ، پھر کوئی اور صورت پیدا ہو جائے اور کوئی کہے کہ یہ صورت پہلے کیوں نہ تھی کہ اب پیدا ہو گئی ، یا یوں کہا جائے کہ غیر متغیر نے (حدوث صورت) کے لیے ایک متعین وقت کو کیوں چنا ہے ، تو اس کا جواب یہ ہے کہ غیر متغیر نے ایسا شخص پیدا کیا ہے جو ہر حالت میں ہے اور اس کے اندر ایسی طبیعت پیدا کر دی جو اس کی مدبر ہے اور طبیعت کے اندر ایک پوشیدہ سلسلہ بھی پیدا کر دیا جو اس کا حکم ہے اور اس شخص کے لیے اس کے مطابق جاری رہنا بھی نہایت ضروری ہے ۔ ان تمام تغیرات کی کوئی صورت نہیں لیکن یہ کہ طبیعت اپنے پوشیدہ حکم کی وجہ سے ’شخص‘ کو تنہا نہیں رہنے دیتی بلکہ اس میں مسلسل صورتیں حاصل ہوتی رہتی ہیں تا آں کہ ’شان‘ مکمل ہو جاتی ہے ۔ ہر سابق صورت بعد میں آنے والی کو تیار کرنے والی ہے اور یہ سب مل کر ان کے انحلال کے ظہور

کا سبب بنتی ہیں اور ہر انحلال ان چیزوں کو تیار کرتا ہے جن کے اثر سے یہ خود پیدا ہوا ہے تا آں کہ صرف اتنا رہ جائے کہ واحد کی کوئی صورت ممثل نہیں ۔ مثلاً گیند کہ اس کا ہر چکر دوسرے چکر کو تیار کرتا ہے اور ہر دور بعد میں آنے والی حرکت دوریہ کا جز ہے ، یا اس کی مثال درخت کی جڑ کی ہے کہ ابتدا میں پیدا ہوتے ہی اس کی طبیعت کے اندر یہ بات پائی جاتی ہے ۔ یہ نشو و نما پا کر پورا جوان ہوگا ۔ پھر یہ بات نہ رہے گی تا آں کہ درخت کی بنیاد ہی ختم ہو جائے گی ۔

لمحہ ۲۱

اللہ کی جود و حکمت کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلی چیز جو اس سے صادر ہو وہ واحد عقلی 'شخص اکبر' ہی ہے جسے لواحق مادہ سے الگ کر لیا گیا ہو ، اس لیے کہ عالم کی اپنے پیدا کرنے والے کے ساتھ وہی نسبت نہیں جو عمارت کو اپنے بنانے والے کے ساتھ ہوتی ہے کہ اس نے مٹی میں کچھ اپنا کام کیا اس کے بعد اس کا کام ختم ہوگیا ۔ پھر اگر بنا کنندہ مر جائے یا کسی اور ملک کو چلا جائے تو بنا اپنی حالت پر رہے گی ۔ بلکہ اس کی مثال تو سورج کی سی ہے کہ زمین اس کے نور سے روشن ہوتی ہے اور جب تک روشنی پھیلتی رہے یہ روشنی ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے زائل نہیں ہوتی اور اگر سورج اور زمین کے درمیان کوئی چیز حائل ہو جائے تو اس سے روشنی بدل جائے گی ۔ لہذا صورتوں کو پیدا کرنے والے کا فعل اول تو اصل کو ایجاد کرنا ہے یعنی شخص اکبر کا جو دو قوتوں — فاعلہ اور قابلہ — سے مرکب ہے ؛ دوسرے یہ کہ ان تمام چیزوں کو وجود میں لایا جائے

جو اسے تیار کرنے میں شامل تھیں ؛ اور تیسرے یہ کہ ان تمام چیزوں کو باقی رکھا جائے جو اس وقت تک باقی رہیں جب تک یہ باقی رہے - لہذا قدر صادر یہ ہوگی کہ کبھی اسے روشن کر دیا اور کبھی آسے ، اور اول سے اس کا ہمیشہ صادر ہونا اس کے دائم ہونے کی وجہ سے ضروری ہے - یہی ہے جو شخص اکبر ہو جاتا ہے - پھر جب اس کا وقت آتا ہے تو مخلوقات میں سے ایک مخلوق بن جاتا ہے - اور اگر تو حق کی جانب جھکے تو تو دیکھے گا کہ یہ اس سے صادر نہیں ہوتا اور یہی اس کے نزدیک شخص اکبر ہے ، اور ہر وہ چیز جس کی طرف یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ یہ اس سے صادر ہوا ہے وہ دراصل اسی کی طرف منسوب ہے کیوں‌کہ یہ اس سے مختلط ہے - اور اگر تو حق کی جہت سے اترے تو دیکھے گا کہ صرف یہی اس سے صادر ہوا ہے اور اس کے نزدیک یہی شخص اکبر ہے اور یہی نفس کلی ہے - اگر کوئی شخص یہ کہے کہ شخص اکبر وہی صادر اول ہے تو وہ سچا ہوگا مگر اس نے اجمال کو پسند کیا ہے - نیز وہ شخص بھی سچا ہوگا جو یہ کہے کہ صادر اول عقل ہے - اس شخص نے تفتیش کی اور اللہ نے اسے توفیق دی - یہی وجہ ہے کہ حق ان تمام افعال پر مشتمل ہوگا جنھیں شخص اکبر نے کیا ہو، اور ان افعال میں سے ذرہ بھر نہیں چھوڑے گا - لیکن بعض لوگوں نے حرکات افلاک کی علت معلوم کرنے کو اہم سمجھا اور وہ ان اشخاص تک پہنچ گئے جو وحدۃالعقل کے اندر شامل ہیں مگر ان دیگر اشخاص سے غافل ہوگئے جو وہاں ہیں - بعض نے ان کی بہت زیادہ کثرت کو سمجھ لیا اور اس وحدت کو نہ سمجھا جو کثرت کی جامع ہے :

ہر کس بخیال خویش خبطے دارد

کیا 'زوج' کے چار اعتبار نہیں ہیں ؟ پہلا یہ ہے کہ تو کہے کہ یہ 'زوج' ایسا ہے اور تیری مراد چار سے ہے۔ لٰہذا اس لحاظ سے زوج عدد چار کا ایک نام ہے جس کے ساتھ چار کا امتزاج ہے - چنانچہ شدت امتزاج کی وجہ سے ممکن نہیں کہ ایک کو دوسرے پر محمول کیا جائے۔ لٰہذا چار اپنی ذات کے مرتبہ میں چار نہیں ہے جب تک وہاں زوج ہو اور نہ زوج ہے لیکن یہ اس طرح ہے کہ اگر تو اس کی تشریح کرے اور اس کے کمال ذات کی طرف توجہ دے تو یہ زوج ہوگا نہ کچھ اور۔ یہ لحاظ تمام اعتبارات کے مقابلہ پر نفس الامر کو زیادہ روشن کرتا ہے اور اس کی کیفیت صدور اور احیا کو زیادہ واضح کرتا ہے۔

دوسرا اعتبار یہ ہے کہ تو اس امتزاج متاکد کی طرف توجہ دے اور کہے 'چار جفت ہے'۔ اس طرح تو جفت کا وہ مفہوم لیتا ہے جو چار پر صادق آتا ہے - ان دونوں کے درمیان ایک اعتبار سے تفارق پایا جاتا ہے اور ایک اعتبار سے اختلاط۔ پھر تو دونوں اعتباروں سے دیکھے تو ایک کا دوسرے پر محمول کرنا صحیح ہوگا۔ اس صورت میں تمھارے قول کے یہ معنی ہوں گے کہ چار اور زوج اگرچہ اس مرتبہ میں دو مقرر مفہوم ہیں مگر دونوں ایک مرتبہ میں متحد ہیں کیوں کہ اس تنزل میں ان کا اجمالی تصور آ جاتا ہے، مثلاً یہ کہنا کہ 'سرت من البصرة' میں 'من' حرف اور رابطہ ہے - جب اس کی حرفیت اور رابطیت کی طرف توجہ کی جاتی ہے تو تو نفس میں اس قضیہ کا قصد کرتا ہے کہ 'من' حرف اور رابطہ ہے اور یہ حرف رابطہ کی طرف قصداً متوجہ ہوتا ہے اور حرفیت سے بڑی ہو کر اسم بن جاتا ہے۔

تیسرا اعتبار یہ ہے کہ تو اس حمل (تعریف یا حد) کی

۱۵۰۹۶

طرف متوجه هو اور اس میں ایک قسم کی تحلیل کے ذریعه سے تصرف کرے اور کہے: زوج جو چار کے عدد سے سمجھ میں آتا ہے اس صفت کے لیے قائم ہے - اس طرح 'زوج' کو اپنے حقیقی طریقه سے بدل دیتا ہے اور تو اسے ایسی چیز سمجھتا ہے جو اسے وہ تقسیم دیتی ہے جو اسی عدد میں واقع ہے اور جس سے یه دو چیزوں کی طرف منقسم هو جاتا ہے اور وہ چیز نہیں سمجھتا جو اسے 'اربعه' کا لفظ بالخصوص دیتا ہے - تو اس انفکاک کا قصد کرتا ہے جو اس کے اندر 'حمل' کے مرتبه میں چھپا ہوا ہے اور تو اسے ظاهر کر دیتا ہے. اور اس امتزاج کا قصد کرتا ہے جو ظاهر تھا مگر تو نے اسے چھپا دیا - اس اعتبار کے مقابله میں ایک اور نام مشتق ہوتا ہے اور وہ اس کا 'زوج' ہونا ہے اور تو کہتا ہے که زوجیت اربعه کی وہ صفت ہے جو اس کے ساتھ قائم، اس کے لیے موجود اور اس میں متحقق ہے -

چوتھا اعتبار یه ہے که تو 'اربعه' کی طرف بحیثیت صفت موصوف کے دیکھے اور تو اس قیام اور تحقق کو اس میں ملاحظه کرے اور دونوں کے درمیان جو نسبت ہے اس کا مطالبه کرے اور کہے: پہلا علت ہے اور دوسرا معلول، پہلا مبدا اور اصل ہے اور دوسرا صادر اور اس سے پیدا شده - اگر تو ان کی تحقیق کرنے میں انتہائی غایت کو تلاش کرے تو تو جان لے که صادر اول اول الاوائل کا نام اور عنوان ہے اور اگر تو اس کی طاقت نه رکھے تو پھر تو کسی اور مرتبه کی طرف اتر کر چلا جا -

لمحه ۲۲

جب عالم صورت فلکیه یا عنصریه یا نفس معدنیه یا

نباتیه یا حیوانیه یا انسانیه کے ساتھ ہو جائے اور یہ صورت پھیل جائے یا کوئی محل کسی ہیئت کے وجود کا مستوجب ہو اور یہ ہیئت مالوف ہو جائے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ نفس کلیہ مادہ کے لیے قیومیت کا کام کر رہا ہے ۔ جب اس کی کیفیت یہ ہو جائے کہ اس صورت کی قیومیت سے اتر کر عالم کی قیومیت کی طرف آ جائے یا اس کے برعکس اس طرح کہ یہ تمام امور کسی اور صورت میں ظاہر ہوں جس طرح انسانیت اِس شخص اور اُس شخص میں ظاہر ہوتی ہے ۔ اس ابقا کی حقیقت یہ ہے کہ نفس مادہ کے اندر حلول کی وجہ سے تشخیص و تنقید کے احکام پیدا کر دیتا ہے ۔ پھر جب مادہ کوئی اور قسم کی کیفیت اختیار کر لیتا ہے تو اس کا اجمالی حکم اتر کر خاص حکم کی طرف آ جاتا ہے ۔ للہذا حیوان مادہ کے اندر خلقت اور عام آثار پیدا کرتا ہے اور جب یہی حیوان انسان میں اگر کر آتا ہے تو اس کی خلقت اور آثار بھی خاص ہو جاتے ہیں ۔

یہ انسان اور ان سب کے احکام ہیں جو مادہ اور نفس کلی پر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے ہیں اس لیے کہ اس سے پہلے یہ نفس کلی اور مادہ میں شامل تھا ۔

لمحہ ۲۳

ظہور کی حقیقت یہ ہے کہ ایک شے ایسی وحدت سے موصوف جو اس حالت کے مناسب ہو طاری ہونے والی ہیئتوں سے ملتبس ہو خواہ وہ اپنی ذات میں ایک ایک کر کے جوہر ہی کیوں نہ ہوں ۔ اس طرح کہ یہ تمام وہ چیز بن جائے اور وہ یہ بن جائے مگر یہ تقسیم کی صورت میں نہ ہو ۔

جب کوئی چیز اپنی حد ذات میں اپنے تعین اور وحدت کے ساتھ جن سے اس کا قیام ہے متعین نہ ہو ، اس کے بعد اسے بعد میں آنے والی ہیئت میں تصور کیا جائے اور اس کا اعتبار اس شرط کے ساتھ اس مظہر میں اول کے ظہور سے پہلے کیا جائے اور وہ ہر حالت میں اپنے تعین وجود میں اور وحدت میں جیسے بھی ہو دائمی ہوگی کیوں کہ یہ اعلیٰ اور الطف ہے ۔ تعین وجود اور وحدت نے مظاہر کو قائم رکھا ہے اور وہ مظہریت میں جز ذاتی ہوگا تو ایک مظہر کا دوسرے مظہر سے افتراق ہوگا کیوں کہ ظاہر کی نسبت کا خیال کرتے ہوئے یہ ایک عرض مفارق ہے ۔ مثلاً انسان ، گھوڑا اور حیوان اپنے اشخاص اوز افراد کی نسبت کے اعتبار سے ۔ لہٰذا بہت سے اشخاص کے اندر انسان کی نوع ظاہر ہے ، اگرچہ جو شخص بھی ہوگا اس پر نوع اس اعتبار کو صادر کرے گی جو ' لابشرط (شے) ، ہے ، اور جو کثرت مظاہر کے اندر مادہ کی طرف سے آئی ہے وہ ظاہری وحدت کے مخالف نہیں ہے ، اور یہ ظاہری وحدت تمام حالات کے ہوتے ہوئے بھی محفوظ رہتی ہے ۔ یہ ایک قسم کا ظہور ہے ۔ یا اس شمع کی طرح جسے کبھی مربع بنا لیا جاتا ہے تو اس سے مربع کے آثار صادر ہوتے ہیں ، اور کبھی مسدس بنا لیا جاتا ہے تو بھی یہ آثار صادر ہوتے ہیں ، اگرچہ ان تمام حالات میں شمع کا وجود باقی رہتا ہے اور مربعی اور مسدسی وجود تو آتے جاتے رہتے ہیں ۔ یہ بھی ایک قسم کا ظہور ہے ۔ یا مثلاً ملکہ جہاں تک اس کا تعلق افعال سے ہے ۔ علم بھی ایک ملکہ ہے جس کا قیام عالم یعنی جاننے والے پر ہے ۔ اسی طرح آہن گری اور نجاری افعال کے تبدیل ہونے کے باوجود باقی رہتی ہیں ۔ ایک عالم میں طویل مدت سے یہ ملکہ چلا آتا

ہے ، اور یہ ملکہ وہ راسخ کیفیت ہے جسے نفس قبول کرتا ہے ، اور اس کی وجہ سے مختلف رنگ اختیار کرتا ہے اور ملکہ کے حاصل ہو جانے کے بعد خاص توجہ پر موقوف نہیں ہوتا ۔ لہٰذا جب اس کی توجہ کسی مخصوص شے کی طرف ہوگی ، اور اس کی صورت تختۂ ذہن پر منقوش ہو جائے تو نفس ناطقہ کو اس کی قدرت اسی ملکہ کی وجہ سے ہوئی ۔ یہی ملکہ اس کے اور صورت منتقشہ کے درمیان واسطہ بنتا ہے ۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ یہ صورت کے ساتھ مختلط اور اس میں غوطہ زن ہو ۔ جب یہ ملکہ ان سے خالی ہو کر نفس ناطقہ کے قریب پہنچ جائے تو اسے وہ بات حاصل ہو جاتی ہے جو ملکہ کے اندر شامل ہے ۔ اس وقت جا کر تو اس کا نام 'علم بالشی الفلانی' رکھتا ہے ۔ اس کے بعد جب ملکہ کسی دوسرے معلوم کی طرف منتقل ہو جاتا اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور تمہارے تختۂ ذہن میں اور صورت منتقش ہو جاتی ہے ، اور اس کے ساتھ مل جاتا ہے تو اسے بھی 'علم بذلک الشی' کہہ دیتے ہیں ، علیٰ ھذا القیاس اور امور بھی ۔ یہ بھی ایک قسم کا ظہور ہے ۔ یا مثلاً عدد ایک جس میں نصف بننے کی قوت ہوتی ہے اگر اس کے ساتھ ایک اور مل جائے ، اور تہائی بننے کی قوت ہوتی ہے اگر اس کے ساتھ دو واحد اور مل جائیں ، اور چوتھائی بننے کی اگر اس کے ساتھ تین اور مل جائیں ۔ لہٰذا واحد کے اندر اعداد کے تمام مراتب شامل ہیں ۔ اس کے بعد یہ مرتبہ اسی طرح چلا جاتا ہے ۔ یہ بھی ایک قسم کا ظہور ہے ۔ یاد رکھو کہ ظہور کی بہت سی قسمیں ہیں اور ہر ظہور کے بالمقابل ایک اندماج ہے ۔ اس پر غور کریں ۔

لمحہ ۲۴

وجود فی الاعیان یا وجود فی الخارج ایک ایسا امر ہے جس میں تفاوت پایا جاتا ہے جس طرح سورج کی شعاع یا چاند کی شعاع میں تفاوت ہوتا ہے - پھر جو شعاع چاند سے آئینہ پر پڑتی ہے وہ منعکس ہو جاتی ہے - پھر وہ شعاع منعکس ہوتی ہے جو زمین پر پڑتی ہے یا جس طرح برف اور ہاتھی دانت وغیرہ کی سفیدی میں تفاوت پایا جاتا ہے -

وجود اعلیٰ لاھوت کے قویٰ ھیں ، اور اس کے بعد وجود عقلی ہے - جب تو لاھوت تک اوپر چڑھ جائے گا تو وھاں ایک انتزاعی صفت پائے گا ، اور اس کا مصداق لاھوت ہے ، اور یہ صفت اس کے اعتبار سے عدم کے حکم میں ہے - پھر جب تو لاھوت کے بعد قوی ترین موجودات عقل کی طرف اتارے گا تو تو اسے ایسا وسیع عالم پائے گا جو اپنے وجود عقلی کے اعتبار سے مبدء اول کے کمالات کا شارح ہے - اور اس کا ایک تابع بھی ہے جس کا وجود اس کی شرط کے ساتھ ھوگا ، مثلاً زید کا ضروری طور پر متحرک الاصابع ھونا ، اور یہ اسی صورت میں ھوگا جب وہ لکھ رھا ھوگا ، کتابت سے الگ ھو کر نہیں - یا جس طرح زمانے کا وجود جو حرکت کے وجود کی وجہ سے ھوتا ہے ، یا سکون کی وجہ سے جو حرکت کی ضد ہے ، اور یہی تابع نفس کلی ہے - لہٰذا جب تو اتر کے اس کی طرف جائے گا تو اسے متقرر اور متحقق پائے گا - اس کے درجہ میں نہ کوئی اس کی ضد ہے اور نہ ھم سر ، بلکہ یہ تنہا ہے کیوں کہ وجود اور تحقق دونوں میں موافقت ہے ، اور ان کے ساتھ جزئی نفوس ھوتے ھیں جن کی مثال اپنی والدہ کی

نسبت کے اعتبار سے ان بچوں کی سی ہے جو ماں کے پیٹ میں ہوتے ہیں۔ جب وہ باہم مل جائیں اور انسانی جسم کے ساتھ نسبت کے اعتبار سے ان کی مثال اعضا کی سی ہوتی ہے اور یہ افلاک اور عناصر ہیں۔ موالید کی افلاک اور عناصر سے وہی نسبت ہے جو شخص انسان کے ساتھ پھنسیوں، ورم، بخار اور سر درد کو ہے۔ دیگر حوادث بدنیہ کا بھی یہی حال ہے۔ بعض سادہ اور بعض بدبودار ہوتے ہیں اور موجودات مثالیہ کی ان سے وہ نسبت ہے جو ان اجرام کو جو خیال میں منتظم ہوتے ہیں معمار کے ساتھ ہے۔

اس کے بعد جب تو موالید کی طرف اترے تو تو انھیں اپنے مرتبہ میں ایک قسم کا جڑ پکڑتا ہوا پائے گا۔ پھر اس کے بعد وہ اعراض آتی ہیں جو ان کو اپنے اندر لیے ہوئے ہیں، اور یہ تو عام اعراض کی وہ جزئیات ہیں جو پودے پر لپٹی ہوئی ہیں، اس حیثیت سے کہ وہ جسم ہے، جس طرح کہ یہ جواہر جسم مطلق کے لیے فرض کیے ہوئے امور ہیں۔ اس کی مثال شکل خاص، کم خاص اور کیف خاص کی ہے۔

اعراض کے بعد دو اور مرتبے ہیں۔ ان میں سے ایک وجود تشبیہی ہے۔ اسی میں سے یہ ہے کہ محل گمان کو احکام شرعیہ کے اندر حکم کے قائم مقام خیال کیا جائے۔ چنان چہ شراب کا اپنے جوہری وجود کے علاوہ ایک اور وجود بھی ہے، اور یہ مصلح کو فاسد کر دیتا ہے جس سے یہ مراد ہے کہ اگر شراب کو ایک رسم بنا لیا جائے تو تمام اقترانی، منزلی، معاشی اور مدنی مصلحتیں فاسد ہو جائیں۔ لہٰذا اسی 'افساد' کی وجہ سے شراب 'وجود تشبیہی' میں آ گئی۔ کتابی نقوش اور لفظی اصوات کو اپنے مدلولات کی جگہ رکھنا

بھی اسی میں سے ہے ۔ اس تشبیہ کے اعتبار سے علوم جفر اسی کے اندر آگئے ۔ اسی میں سے افعال کو ملکات کے قائم مقام رکھنا ہے اور نذر و نیاز کو عاجزی کے قائم مقام رکھنا اور اذکار کو ان کے معانی کے قائم مقام رکھنا ۔ لہٰذا اس کا حکم اصحاب الیمین میں ظاہر ہوا ۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ بلند اسباب بعض اوقات ایک حادثہ کے حادث ہونے سے متفق ہو جاتے ہیں ، مثلاً زید کا مر جانا ۔ اس کے بعد لوگوں کی دعائیں اور فریادیں بلند ہو کر ملائے اعلیٰ تک چلی جاتی ہیں تو وہ صرف ہلاکت کے وجود تشبیہی پر ہی اکتفا کر لیتی ہیں ، مثلاً اذیت پہنچنا اور بہت سے مال کا کھو جانا ۔

اور دوسرا مرتبہ ان عوالم کا ہے جو وہم مطلق کے اندر پیدا ہوتے اور اعراض کے امتزاج میں ظاہر ہوتے ہیں کیوں کہ باوجود اس کے کہ ملائکۂ عنصریہ اور شیاطین کا درحقیقت وجود پایا جاتا ہے ، وہم مطلق میں ان کے عجیب و غریب اتفاقات اور اجتماعات ہو جاتے ہیں اور بنی آدم کے حرکات ، امراض اور خیالات کے ضمن ناسوت کے اندر ان کے آثار پائے جاتے ہیں ۔ اور بعض اوقات ان ملائکہ اور شیاطین میں سے ایک فرد کسی ناسوتی کیفیت کا مشتاق ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے ایک چیز دوسری چیز کو اپنی طرف کھینچتی ہے ، اور اس خیال میں مدد دیتی ہے ۔ اور اس سے لذت حاصل ہوتی ہے ، اور اس کا نام دوسری چیز رکھ دیا جاتا ہے ۔ اس قسم کے حالات میں ان کی عجیب زبان ہوتی ہے ۔ اور ناسوت کے ساتھ ان کے اجتماعات اور اصطلاحات ہوتے ہیں جنھیں صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنھوں نے اس وجود کا گہرا مطالعہ کیا ہو ۔

یادِ رکھیں کہ ہر وجود صرف اسی صورت میں پہچانا جا سکتا ہے جب اس وجود کو واجب قرار دے دیا گیا ہو، لہٰذا لاہوت کی پہچان لاہوت ہی کے ذریعہ سے ہو گی ، اور عقل عقل ہی کے ذریعہ سے پہچانی جائے گی - یہی حکم ہر طبیعت نوعیہ کا ہے کہ اس کا ادراک بھی اسی کے ذریعہ سے ہو گا۔ لہٰذا عارف ہر چیز کو اس چیز کے ذریعہ سے کلی طور پر پہچان لیتا ہے ، اور دیگر لوگ ان چیزوں کا ادراک کرتے ہیں جو اپنے وجود کی ترکیب میں قوی ہوں ، مثلاً اکثر افراد بشریہ کے لیے مرکبات ارضیہ - لیکن جو بلند ہو ، مثلاً نفس عامہ اور عقل ، تو اسے یہ صرف دور ہی سے دیکھ سکتے ہیں ، گویا کہ یہ ایک بہتر خیال ہو - اور جو پست ہو ، جس طرح دیگر دو وجود ، تو ان کے پہچاننے کے لیے ارواح کا کمزور ہونا اور نفس کا بیدار ہونا شرط ہے - اس طرح عارف اور معروف میں ایک قسم کی مطابقت پائی جاتی ہے - یہی وجہ ہے کہ تو دیکھے گا کہ جو لوگ جنوں کو حاضر کرنے کا کام کرتے ہیں وہ جن کے کاغذ ، بیوقوفوں اور بچوں کی طرف دیکھنا شرط قرار دیتے ہیں - اسی طرح تو لوگوں کو دیکھے گا کہ جب وہ کسی عارف کو یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ ' زمانہ موجود ہے اور عالم ایک خیال ہے ، تو لوگ اسے جھٹلاتے ہیں ، حالانکہ یہ درست بات ہے -

لمحہ ۲۵

کبھی کسی چیز کے دو وجود ہوتے ہیں اور ایک وجود دوسرے وجود کی شرط ہوتا ہے - بعض اوقات عالم قوای فلکیہ اور عنصریہ کے لحاظ سے کسی موجود کے فیضان سے

تیار ہو جاتا ہے ، نیز اس لیے بھی کہ یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ وجود ناسوتی ناسوت سے اعلیٰ مقام پر اسی وجود کا فیضان ہے ۔ اسی طرح بعض اوقات کوئی واقعہ ملاۓ اعلیٰ میں واقع ہونا قرار پاتا ہے ، مثلاً کسی ملت کا ظاہر ہونا یا زید کا وجود یا اس کی موت یا فلاں دن اس پر کسی سختی کا واقع ہونا ۔ اس کے بعد جب اس کے ناسوتی وجود کا وقت آتا ہے تو اس کا روحی وجود ناسوتی وجود کے ساتھ اس طرح مل جاتا ہے جس طرح کہ ملکہ کسی خاص فعل کے ساتھ بعض اوقات کوئی چیز فاعل کے اقتضا کے مطابق موجود ہوتی ہے یا اس لیے کہ قابل کی انتہا ہو جاتی ہے یا اس وجہ سے کہ وہ کسی چیز کا 'مقبول' ہے یا اس لیے کہ فاعل کی انتہا ہو جاتی ہے ۔

مختصر یہ کہ ایک شے اپنی فاعلیت یا قابلیت کے اعتبار سے کسی دوسری چیز کی مقتضی ہوتی ہے یا یوں ہوتا ہے کہ قابل اور فاعل تو دونوں موجود ہوتے ہیں مگر اس شے کے وجود کا ابھی وقت نہیں آیا ہوتا اس لیے کہ اسے تیار کرنے والا یا اس کی بیرونی شرط معدوم ہوتی ہے یا کوئی مانع وجود ہوتا ہے ، مثلاً یہ کہ کوئی کاریگر موم کا ایک خوب صورت جسم بناۓ اور اسے اس قدر خوب صورت بناۓ کہ دیکھنے والے خوش ہو جائیں اور لوگ یہ کہنے لگیں : یہ کس قدر خوب صورت ہے ، اس کا صانع کس قدر ظریف انسان ہے ! لہٰذا اس میں ہیئت کا ہونا ضروری ہے اور یہ بات کاریگری سے پہلے موجود نہ تھی اور یہ کاریگر کے نفس کے اندر شامل تھی کیوں کہ اس کا ملکہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس سے افعال صادر ہوں ۔ پس اگر اس ملکہ کا کوئی

فعل اس محل کے ساتھ تعلق رکھے تو یہ خاص قسم کا صنم ہوگا - اسی طرح موم ایک 'قابل، ہے جس پر یہ ظاہر ہوتا ہے ، اس لیے کہ یہ اصل خلقت کے ساتھ یعنی رنگ اور شکل کا لباس پہنے ہوئے تھا - یہ معاملہ کبھی تو اس صورت سے حل ہوتا ہے جو پہلے اسے حاصل تھی یا کبھی اِس صورت سے - لہٰذا یہ صنم اگرچہ بادی النظر میں موم اور اس صورت کے احکام کو جمع کیے ہوئے ہے ، لیکن نظر دقیق اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ وہاں دو وجود ہیں جن کا وجود یہاں آ کر انسانی صورت سے مل گیا ہے خواہ یہ موم ہو یا لکڑی یا پتھر - اور ان کا وجود بھی وہی موم ہے خواہ وہ انسانی صورت ہو یا گھوڑے کی یا درخت کی - وجود اول کا قیام فاعل کے ساتھ ہے - اگر اس کا وجود فاعل کے 'وصف متجدد، پر ہوگا تو فاعل کے دوام کے ساتھ اس کا بھی دوام ہوگا یا اس لیے دائم ہوگا کہ اس وصف کے ساتھ موصوف ہونے کی شرط اس میں پائی جاتی ہے - اور دوسرے وجود کا قیام قابل پر ہوگا یا اس کے دوام سے بھی دائم ہوگا یا اس شرط پر کہ وہ اس کے وصف سے موصوف ہے - یہ مثال ایک لحاظ سے قاصر ہے کیوں کہ یہاں فاعل اس شے کے ساتھ اپنے تعلق کو تیار کر رہا ہے اور اس شے سے اس کا تعلق زائل ہو جاتا ہے اور عالم کے اندر جو فاعل ہے وہ فاعل حقیقی ہے - اس کا تعلق اور قیومیت زائل نہیں ہوتی - لہٰذا جب ایسا وصف پایا جائے گا جس پر یہ موقوف ہے تو عالم روحانی میں اس وجود کا صادر ہونا واجب ہو جائے گا اور یہ وصف روحیات افلاک اور عناصر کے قویٰ ہی ہیں اور جب یہ وجود پایا گیا تو ملائے اعلیٰ اس شے کو موجود

خیال کر لیتے ھیں ۔ لہٰذا یہ وجود فلکی قوتوں ، خوب صورت عنصری طبائع اور تخیلات مثالیہ سے مرکب ھوتا ھے ۔ اس کے بعد جب کوئی واقعہ ناسوت میں پایا جاتا ھے اور بعض اوقات اول مجمل ھوتا ھے احتمال ھوتا ھے کہ اس کی تفسیر اس کے ساتھ ھو یا اسے چھوڑ دیا جائے ۔ یہی اختلاط وہ 'انزال حدید' ، 'میزان' اور انعام کا آسمان سے اترنا ھے جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ھے ۔ نیز مصیبت کا نازل ھونا اور دعا کا اس کے ساتھ ٹکراؤ اور فتنوں کا بارش کی طرح نازل ھونا عربی ممالک میں جیسا کہ سنت صحیحہ میں آیا ھے ۔

لمحہ ۲۶

یاد رکھیں کہ روزمرہ کے حوادث کے واقع ھونے کے لیے علت تامہ کا ھونا نہایت ضروری ھے تاکہ معلول ضرور واقع ھو کر رھے ورنہ یہ لازم آئے گا کہ یہ وجود علل تامہ کے واجب قرار دینے کے بغیر ھی واقع ھوگیا ۔ اور یہ بھی ناممکن ھے کہ وہ فقط قدیم ھو ورنہ یہ قدیم اور غیر حادث ھوگا ۔ لہٰذا تحقیق نے اس بات کی طرف مجبور کیا کہ ایسی چیز کی تلاش کی جائے جو قدیم کے ساتھ منظم ھو کر علت تامہ بنے ۔ اسی لیے عقل مند لوگ اس علت تامہ کی تلاش کرتے رھے ھیں ۔ چناں چہ انھوں نے عنصری طبائع کی طرف دیکھا اور ان کا شور و غوغا دیکھا ۔ حوادث کا تکرار ھوا اور قیاسات کیے گئے ، یہاں تک کہ اس میں کسی کو شک باقی نہ رھا ۔ اس کے بعد انھوں نے سیارات کی حرکات میں غور کیا اور اس بات میں غور کیا کہ ایک سیارہ دوسرے سیارہ کی طرف دیکھ رھا ھے اور دیکھا کہ ان میں سے بعض

محسوسات پر تاثیر پیدا کرتے ھیں جیسے زمین کے ساتھ نسبت کے اعتبار سے سورج کی گرمی اور سردی میں اختلاف کا ھونا، اور رطوبات کے معانی کا اختلاف اور اسی میں مد و جذر اور زمین سے چاند کی نسبت کے اختلاف کا وقوع آ جاتا ھے ۔ اور بعض ایسے امور ھوتے ھیں جو ایک جماعت کے نزدیک محسوس نہیں ھوتے با این ھمه وہ اس کے متعلق جستجو کرنے میں لگے رھتے ھیں اور اسے سمجھتے بھی ضرور ھیں اور جزئیات سے اس کلی کی طرف منتقل ھوتے رھتے ھیں جو انھیں جمع کرتی ھے اور ان آثار کے اجتماع کا قیاس کرکے جو دوسرے آثار کے ساتھ مل کر حادثه کی صورت پیدا ھوتا ھے، مثلاً ستاروں کی نگاہ کے اختلاف کی وجه سے لوگوں کے اخلاق اور ان کے واقعات کا اختلاف ۔ لہٰذا ان لوگوں نے ایسے علوم کی تدوین کی جن کے ذریعه سے ان کے بیان کے مطابق مکمل معرفت حاصل ھو جائے، مثلاً علم ھندسه، حساب، خواص نباتات و حیوانات ۔ اس کے بعد ان علوم کی تدوین جو ان کی فرع ھیں اور ان سے پیدا ھوتے ھیں جیسے سحر، طلسمات اور طب ۔

ان کے بعد وہ لوگ آئے جو اشیا کی 'لم' (اسباب و علل) کی تفتیش کرتے ھیں اور انھوں نے ھر ایک کی وجه نکالی ۔ نیز انھوں نے اپنی کتابوں میں یه ذکر کیا ھے که حرکت مستدیرہ نه حرکت شھویه ھے اور نه طبعیه لیکن یه رائے کلی اور وھمی ھے ۔ افلاک کے یقیناً نفس ھیں اور یه موالید (ثلاثه) میں اسی طرح تاثیر کرتے ھیں جس طرح ھمارے نفس ھمارے جسم کے بعض حصوں پر کرتے ھیں ۔ یه اپنی پوری کوشش سے اس چیز کی تلاش کرتے ھیں جس میں عالم موالید کی بھلائی ھو ۔ اور کبھی ایسا ھوتا ھے که ان کی

همت الہام اور اس کے تغیر کا سبب بنتی ہے ۔ اور لوگوں کا ان سے مدد مانگنا اور سخاوت کے نازل ہونے کی درخواست کرنا سخاوت کے دروازہ پر دستک دینے کے مترادف ہے بعینہٖ اسی طرح جس طرح نتیجہ کے فیضان کے لیے نظر سبب بنتی ہے اور جس نے سخی کے دروازے پر دستک دی اس کے لیے دروازہ کھل جاتا ہے اور یہی رسولوں کو بھیجنے ، ملتوں کو قائم کرنے ، معجزات کے ظاہر ہونے اور دعاؤں کے قبول ہونے کا سبب بنتے ہیں ۔

لمحہ ۲۷

محققین کے نزدیک حوادث کے اسباب کی دو قسمیں ہیں : قوئ ساویہ اور قوئ ارضیہ ۔ ساویہ کی چار قسمیں ہیں ۔ پہلی قسم ان کے نفوس کے وہ انفعالات ہیں جو مبادئ عقلیہ کے اثر سے پیدا ہوتے ہیں ۔ میرے نزدیک ان کلمات کی تاویل یہ ہے کہ 'اشخاص، ان احکام کے ظاہر ہونے کا محل ہیں اور ان انواع کے لیے امام ہیں جو مادہ سے مجرد اور ذات الٰہی کے اقتضا کی طرف رجوع کرتے ہیں جیسا کہ تجھے معلوم ہے ۔

دوسری قسم ستاروں کی طبائع ہیں جو مختلف آثار کے ساتھ موالید میں تاثیر پیدا کرتے ہیں ۔ ان کا اختلاف ان کی حدود کی وجہ سے ہوتا ہے ، اسی مقام پر جہاں ستارے ان کو گھیرے ہوئے ہوتے ہیں ، اور یا تو ان کے خواص میں ان کی مدد کرتے ہیں ، یا ان سے باز رکھتے ہیں ، یا یہ اختلاف ان کی شعاعوں کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے ۔ لہٰذا زمین پر صرف وہی امر واقع ہوتا ہے جس میں ان کی نظر کے اعتبار سے اس میں اس کی قوتوں کا اجتماع ہوگیا ہو ،

یا یہ اختلاف ان کی شعاعوں کے مستقیم ہونے کی وجہ سے ، یا عدم استقامت کی وجہ سے ہوتا ہے ۔

قدما کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا نکاح اس وقت ہو جب زہرہ برج حوت میں اور چاند اپنے نور کی 'تسدیس' میں ہو ، اور اس وقت دونوں نحس سیارے (مریخ و زحل) اس کی طرف دیکھ بھی نہ رہے ہوں تو ان دونوں (میاں بیوی) میں اس قدر محبت اور اتفاق ہوگا کہ انسان کو اس سے تعجب ہوگا ۔ اور اگر کوئی شخص اس وقت نکاح کرے جب کہ زہرہ سنبلہ یا برج حمل میں جل رہا ہو ، اور مریخ (نحس اصغر) ان کے بالمقابل ہو یا چوتھے خانہ میں ہو ، یا زحل (نحس اکبر) اس سے ملا ہو یا بالمقابل ہو ، اور مشتری ساقط ہو تو اس اتصال میں سخت مصائب آئیں گے ، اور ان دونوں میاں بیوی کے درمیان انتہائی بغض ہوگا کہ لوگوں کو اس سے تعجب ہوگا ۔ انہوں نے اسی قسم کی اور بہت سی باتیں ذکر کی ہیں ۔

تیسری نوع وہ قوتیں ہیں جو ادراکیہ ، عقلیہ ، متوهمه اور تخییلیه ہوں ، جن کو سلسلۂ موجودات ، خواہ موافق ہوں یا مخالف ، حاصل کرتا ہے ، اور عنایت خداوندی سے ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ ان قویٰ کے صادر ہونے کو وہ بنظر استحسان دیکھیں ۔ لہٰذا اگر یہ کوئی ایسی چیز ہو جو سلسلہ کے اندر ہے مگر کسی ارضی سبب کی وجہ سے نہیں ہے تو اس کا سبب بھی زمین میں پیدا کر دیا جاتا ہے ، یا یہ کہ اس کا کمزور سبب ہو ، اور اپنی عادت کے مطابق اس کی تاثیر اس حد تک نہیں ہوتی کہ مراد کو پہنچ سکے تو ان کا استحسان اس سبب کو قوی بنا دیتا ہے ، یہاں تک کہ یہ مراد

تک پہنچنے کا فائدہ دیتا ہے ۔ یا یہ کہ وہاں کوئی نقصان دہ سبب ہو تو یہ 'استحسان' اس کو پکڑ لیتا ہے ۔ تا کہ اس سے نقصان پہنچانے کی قدرت کا اظہار نہ ہو ۔ اسی سلسلہ کی یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ہوا میں جو نار ابراہیم کے ارد گرد تھی قوت زمہریر پھیلا دی ۔ اور بعض اوقات بنی آدم کے دلوں میں الہام کے امر کا اثر ہوتا ہے ۔ یا کبھی بہائم کے دلوں میں بھی ایسا ہوتا ہے ، اس وقت اگر مقصد یہ ہو کہ کثیر التعداد لوگوں کی اصلاح کی جائے ، اور نفس اس الہام کو سمجھ رہا ہو اور قصد بھی نہ ہو ، تو اس انسان کو نبی کہا جاتا ہے ۔

چوتھی قسم وہ قوتیں ہیں جن میں حوادث زمین کا ایک قسم کا سبب پایا جاتا ہو اور یہ اپنی تاثیر کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اس شے کی ایک نوع کی وجہ سے ہوتا ہے ، اس لیے کہ یہ ایک مخصوص اثر قبول کرتی ہے جس طرح ہم پانی کی نہر کھود کر پانی کو مسخر کر لیتے ہیں ، اور راستے بنا کر ہوا مسخر کر لیتے ہیں کیوں کہ پانی کی طبیعت ڈھلان کو بہنے کی ہے ۔ لہٰذا جب زمین کو ایسا کھودا جائے کہ جہاں پانی پہنچانا مقصود ہے ، اس سے پست اور کوئی جہت نہ ہو تو پانی اپنی طبیعت کی وجہ سے اسی طرف ہو لیتا ہے ۔ یہی حال ہواؤں کا ہے کہ انہیں بھی وہ چیزیں مزاحم ہوتی ہیں جن سے ان کا چلنا رک جاتا ہے ۔ لہٰذا جب ہوا کے مقابلہ میں راستے قائم کر دیے تو ہوا کی طبیعت میں مزاحمت پیدا ہوگئی ۔ اسی مزاحمت کی وجہ سے کشتیاں مطلوبہ جہت کو چلتی ہیں ۔ نفوس بشریہ کے لیے افلاکی قوتیں ان کے اجزا اور اعضا کی طرح ہیں ، بلکہ بذات خود انہیں ان کا علم ہوتا ہے ۔ انسان ان انوار کے سامنے عاجزی کرتا ہے جو آن

پر غلبہ پائے ہوئے ہیں ، میری مراد نفوس افلاک کی قوتوں سے ہے خواہ ان کا نام نفوس فلکیہ یا ملکیہ یا نفوس مفارقہ من الابدان وغیرہ رکھا جائے ۔ جب اس کی عاجزی بہت زیادہ ہوجاتی ہے تو اس کے افکار اور قوتیں اس طرف ہو لیتی ہیں جس کی خاطر انھوں نے عاجزی کی تھی ۔ ان کے نزدیک اس استحسان کی مثال وہی ہے جو ہمارے ہاں کھانے کی صورت اور سیری اور اس کی لذت کی صورت میں حاضر ہوتی ہے ، اور ہمارے شوق کو برانگیختہ کرتی ہے ۔ ہاتھ اور پاؤں کو حرکت دینے کا شوق بمنزلہ ان امور کے ہوتا ہے جو مبادئ عالیہ سے نتیجہ کے فیضان کے لیے ، مقدمات کو حاضر کرنے کے لیے تیار کرتے ہیں ۔

قوائے ارضیہ بھی چار قسم کے ہیں ۔ ایک قسم طبعی اور فعلی قوتیں ہیں جو عناصر اور عنصریات میں ودیعت کی گئی ہوتی ہیں ، یا خاص طور پر ہر صورت نوعیہ میں ہوتی ہیں ۔ چناں چہ آگ گرم کرتی ہے اور پانی ٹھنڈا کرتا ہے ۔ دوسری قسم طبعی اور منفعل قوتیں ہیں ، مثلاً درخت جلتا ہے ، اور لوہا پگھلتا ہے ، اور پتھر نہ جلتا ہے اور نہ پگھلتا ہے ۔ تیسری قسم ارادی اور فعال قوتیں ہیں ، مثلاً گویائی کی قوت جو انسانوں میں پائی جاتی ہے ، یا ضعف جسم کا پیدا ہونا ، اور نفس میں خوف اور شرم لاحق ہونا ، نفس کو غصہ آتے وقت جسم کا سرخ ہو جانا ، خوف کے وقت ٹانگوں کا لڑکھڑا جانا ۔ اسی طرح یہ کمزور نفوس کے اندر بھی اثر کرتی ہیں جس طرح چشم بد لگنا ۔ چوتھی قسم وہ ارادی قوتیں ہیں جو اُن سماوی قوتوں یا نفوس ارضیہ سے متاثر ہوتی ہیں جو ان سے زیادہ قوی ہوں ۔ اس حد تک تو محققین فلاسفہ کا اتفاق ہے ۔

لمحہ ۲۸

ان کے بیان کے مطابق کچھ اور اسباب ہیں ۔ بعض اسباب کے متعلق تو ان کے محققین نے سکوت اختیار کیا ، اس لیے نہیں کہ انھوں نے دلائل کے ساتھ ان کی نفی کی ہے ۔ ان اسباب میں سے نفس کلی کے احوال ہیں جب یہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا ہے ۔ ان کی ایک حالت وہ ہوتی ہے جب ان کی استعداد کا ظہور شروع ہوتا ہے ، پھر دوسری حالت استعداد کے مکمل ہونے سے لے کر ان کے الگ الگ ہو جانے تک ہوتی ہے اور ان میں سے انواع کے 'ائمہ' ہیں ۔ یہ وہ وجود ہوتے ہیں جن کے بدن تو صورِ مثالیہ ہوتے ہیں اور ان کے ارواح وہ قوتیں ہوتی ہیں جن کا افادہ نفس کلیہ سے ہوتا ہے ۔ انہی میں سے عالم مثال ہے ، انہی میں سے ملائے اعلیٰ ، ملائکہ سفلیہ اور شیاطین ہیں ۔ انہی میں سے بنی آدم کے اعمال ہیں کیوں کہ یہ ان کے جزئی ہونے کے اسباب ہوتے ہیں ۔ اور انہی میں سے اسمائے الٰہیہ ہیں جو عابد انسانوں اور فاضل فرشتوں سے اٹھتے ہیں اور عالم مثال میں نورانی وجود بن جاتے ہیں ، اور املاک ان کے مطیع و فرماں بردار ہو جاتے ہیں ۔ پھر جب کوئی پھیرنے والا اپنے نفس کو اس کی طرف ایک قسم کی حرکت دے کر اور انھیں کھینچ کر مطلوب کی طرف مائل کر لیتا ہے تو یہ بھی مائل ہو جاتے ہیں اور ملائکہ جو ان اسماء کے خادم ہوتے ہیں ، ان کے مطیع ہو جاتے ہیں ، وغیرہ وغیرہ ۔ ایسے بہت سے امور ہیں جن میں سے ہم کچھ کا بعد میں ذکر کریں گے ، انشاء اللہ تعالیٰ ۔

هم نے مشاہدہ کیا ہے کہ قوائے سماویہ اور قوائے ارضیہ میں کوئی تناقض نہیں ہے بلکہ دونوں قسم کی قوتوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کا فیض کلی ہو۔ اسی طرح ایک صورت میں کلیات جمع ہو جائیں اور امر حادث میں ان کے حق کی رعایت رکھی جائے گی ، مثلاً آئینہ ، آئینہ میں دیکھنے والا ، اور وہ صورت جو آئینہ میں دکھائی دیتی ہے کیوں کہ آئینہ اور دیکھنے والے میں ضروری بات وہ امر کلی ہے جو صورت پر منطبق ہوتا ہے ۔ اسی طرح اس نظام میں جس کو هم نے قوائے سماویہ اور قوائے ارضیہ کے لیے واجب قرار دیا ہے اور ان اسباب میں جن کا هم نے ذکر کیا ہے کوئی تناقض نہیں ۔ البتہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک امر دوسرے کے مقابلے پر زیادہ شدید موجب ہوتا ہے اور دوسرا موجب نہیں ہوتا ، صرف مساعد ہوتا ہے ، اور کبھی کوئی امر دوسرے امر کے مقابلہ میں زیادہ تقاضا کرنے والا ہوتا ہے جس کی وجہ سے صارف حادث کو زیادہ قوی کی طرف منسوب کر دیتا ہے ۔ حق بات تو یہ ہے کہ اسباب ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں ، مگر اسی نے یہ چاہا ہے کہ ہر حق دار کے حق کا لحاظ رکھا جائے ۔

لمحہ ۲۹

جب امور ایک دوسرے سے ٹکرائیں اور فعال قوتیں منفعل قوتوں کے ساتھ مختلف اطوار اور لاتعداد طریقوں سے مل جائیں تو مختلف امور پیدا ہو جاتے ہیں جن میں سے بعض جواہر اور اشخاص ہیں اور بعض افعال و حالات ۔ ان امور میں کوئی شر نہیں پایا جاتا ، جس سے مراد ایسی چیز

کا وجود ہے جس کا کوئی سبب نہ ہو ، یا ایسی چیز کا عدم جس کی علت مکمل نہ ہو چکی ہو ۔ لیکن کبھی اس میں شر ہوتا ہے ، بایں معنی کہ اس میں ایک نظام کی مخالفت ہوتی ہے اور دوسرے کی نہیں ہوتی۔ جس طرح کہ جلانا بہ نسبت نار کے خیر ہے اس لیے کہ یہ اس کا کمال ہے ، اور اپنی نوع کے اقتضا کی تکمیل ہے ، اور اس حیوان کی نسبت سے شر ہے جو جل رہا ہو۔

پھر بعض شرور جارہ ایسے ہوتے ہیں جو شر محض ممتنع کے قریب ہوتے ہیں ۔ یہ اس طرح ہوتا ہے کہ وہ ان نظامات کے خلاف ہوں جو بلند قوتوں کے نزدیک محبوب ہیں ۔ بعض شر ایسے ہوتے ہیں جو اس خیر محض کے قریب ہوتے ہیں جو انسان کے جسم کے لیے اعتدال حقیقی کی طرح ہوتے ہیں ، اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ وہ ان نظامات کے موافق ہوں جو بلند قوتوں کے نزدیک جلیل القدر اور محبوب ہوں ، خواہ وہ بعض ضعیف اور مٹنے والی قوتوں کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں ۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن کا کمال انسانی جسم کے لیے نقاہت اور مرض کا سبب ہوتا ہے ۔ اور جب ایسی چیز ہو جو فلکی اور ارضی اسباب کے لیے شر ہے ، اور ان اسباب کا پکڑ لینا قبیح بھی نہ ہو ، تو اللہ تعالیٰ کی سخاوت اس بات کی مقتضی ہوتی ہے کہ اس پر قبضہ کر لیا جائے ۔ جب ایسی بات نہ ہو جو فلکی یا ارضی سبب کی کمزوری کا سبب ہے ، اور اس کا کھلا چھوڑ دینا قبیح نہ ہو ، تو اللہ تعالیٰ کی سخاوت یہ تقاضا کرتی ہے کہ اسے وسعت دے دی جائے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سلسلۂ فائضہ مندمجہ (یعنی فیضان والا اور محکم سلسلہ) جس طرح ان اسباب پر مشتمل ہوتا ہے اسی طرح ان امور پر بھی مشتمل ہوتا ہے

جو اس سے پیدا ہوں ۔ جس طرح ذات بعینہ ان اسباب کا تقاضا کرتی ہے اسی طرح اس وحی کا بھی تقاضا کرتی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ بعض امور کے اجتماع کے وقت فیصلہ کرتا ہے ۔ ان کی مثال مراتب اعداد کے خواص کی سی ہے، اس لیے کہ خود مراتب کی طرح طبیعت عددیہ کا تقاضا ہی یہی ہے ۔

لہٰذا رحمان اپنے اس فعل کے مطابق جو طبیعت مدبرۂ کلیہ کے اندر موجودات میں ہوتا ہے ، اپنے ہاتھ میں میزان لیے ہوئے ہے جس سے اسباب کا وزن ہوتا ہے ، چناں چہ یہ نیچے اور اوپر ہوتے ہیں اور راجح کو معلوم کر لیا جاتا ہے ، اور راجح مرجوح پر حکم کرتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : 'ہر روز وہ ایک نہ ایک شان میں ہوتا ہے ؛ زندہ کرتا ہے ، مارتا ہے ، (کسی کو) پست کرتا ہے اور کسی کو بلند کرتا ہے ۔ ؛ نیز فرمایا : 'ہم نے آسمان اور زمین کو بے کار پیدا نہیں کیا ۔ اس قسم کا خیال تو کافروں کا ہے ، یعنی بے کار و مہمل نہیں بنایا کہ بغیر تدبیر کے ہو اور کسی چیز کے وجود سے پہلے خاص طور پر اس کا تعین نہ کیا گیا ہو ۔ لہٰذا وہ ہر وقت ، ہر نفس اور ہر سبب کا نگہبان رہتا ہے اور ہر چیز کی حالت اس کے ساتھ مخصوص کرتا ہے ۔ ان کے ساتھ اس کا معاملہ کبھی قبض کبھی بسط کا ہوتا ہے ؛ کبھی ملائکہ ، نفوس انسانی اور بہیمی کو الہام ہوتا ہے ، اور جہان کے جس قدر موالید ہیں انہیں تبدیل کیا جاتا ہے تاکہ معاملہ خیر کی طرف لوٹ آئے ۔ اس کی مثال اس فلسفی کی ہے جو پردہ کے پیچھے بیٹھ کر سامان و آلات کو حرکت دیتا رہتا ہے ، اور ان کی حرکت دیکھنے والوں کی نگاہیں اس طرف لگ جاتی ہیں ۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ 'کون' کے اندر

طبیعت مدبرۂ کلیہ کا یہ فعل اس ترجیح کے لیے متجدد ارادوں اور بدلنے والے عزائم کے ساتھ ہو، بلکہ یہ فعل اس سے بہت بلند و بالا ہوتا ہے کہ تو اپنے ذاتی خیالات کا اعتبار کرے۔

لمحہ ۳۰

جب پانی ہموار و نرم زمین میں واقع ہو اور اس کی طبیعت ان تمام جوانب کا وزن کرے جن سے یہ پانی بہ کر اس میں آتا ہے، نیز ان تمام موانع کا وزن کرے جو وہاں اس کے طبعی میل کو روکنے والے ہیں، تو یہ ممکن نہ ہوگا کہ پانی کسی جہت کو جاسکے، حالاں کہ وہاں پست جہت موجود ہے، اور نہ یہ ممکن ہے کہ وہ کسی سے مزاحم ہو، جب کہ وہاں پانی کے بہنے کا راستہ موجود ہے۔ نہ ہی یہ ممکن ہے کہ وہ نرم زمین سے پہلے سخت زمین کو اکھاڑے۔ اس کے تمام افعال اس کی طبیعت کے اصلی تقاضا کے مطابق اس کے اندر پائے جاتے ہیں جن سے یہ تجاوز نہیں کرتا۔ جب درخت کی جڑ اپنے اجزا کے مادہ کو پی لے تو اس کی مدبر طبیعت اس کا وزن کرے گی۔ اس میں اسی مادہ کی رقت، غلظت، حرارت، رطوبت اور تمام وہ چیزیں پائی جاتی ہیں جنھیں درخت سے پیدا کرنا اس کے لیے ضروری ہے، مثلاً ٹہنیاں، پھول، پتے، پھل، گوند وغیرہ۔ لہٰذا یہ مادہ ان چیزوں میں حکمت کے مطابق تقسیم ہو جائے گا۔ اس لیے یہ ممکن نہ ہوگا کہ پتوں میں پھلوں کے مقابلہ میں زیادہ تصرف کرسکے، سوائے اس حالت کے کہ مادہ انکار کرے۔

جب انسان کے پیٹ میں موذی اخلاط پیدا ہو جاتے ہیں اور اگر اس کی اصلاح ممکن ہو تو طبیعت انسانیہ اس کے سبب

کی اصلاح کر لیتی ہے ، اور اسے جزو بدن بنا لیتی ہے ، ورنہ نکسیر یا اسہال کے ذریعہ اسے نکال دیتی ہے - اور اگر مادہ کی نافرمانی کی وجہ سے یہ نہ پھیلے تو طبیعت بدن کی گہرائیوں سے اسے نکال کر جلد کی طرف لے آتی ہے اور پھنسیاں پیدا ہو جاتی ہیں - اور اگر یہ بھی نہ ہو تو بخار یا کوئی خاص مرض کسی عضو کو لاحق ہو جاتا ہے - لہٰذا تمام طبائع ان مادوں کو ، جو ان پر وارد ہوتے ہیں ، طبعی میزان میں وزن کرتی رہتی ہیں اور ان میں کسی قسم کی ترجیح بلا مرجح نہیں پائی جاتی -

لمحہ ۳۱

موجودات میں طبیعت مدبرۂ کلیہ اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ ہر چیز کا وزن کر سکے اور پست اور اونچا کرے - بلکہ اگر تو حق بات معلوم کرنا چاہتا ہے تو طبائع کے میزان تمام کے تمام اس کے کلی میزان کا جزو ہیں ، جو اس بات کے قریب ہیں کہ وہ حوادث جو خلا کے محال ہونے پر متفرع ہوتے ہیں اس کے مقتضیات میں سے ہوں - مثلاً اس بوتل کا ٹوٹ جانا جسے چوسا گیا ہو اور پانی کا اوپر چڑھ جانا ، اور اسی نالی کا چوسنا جس کا منہ اس پانی میں ہے - پھر یہ کہ جب ہوا درمیان میں نہ ہوگی تو پانی اوپر کو چڑھتا رہے گا - یہ اس طبیعت کلیہ کا تقاضا ہے جو سب میں ایک ہی چیز کی طرح سرایت کیے ہوئے ہے - فرق صرف اتنا ہے کہ جو مبداء اولیٰ کے بالکل قریب ہوگا اس کی طبیعت اس کا عین ارادہ ہوگی اور ارادہ عین طبیعت - اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا ارادہ دائمی ہوتا ہے ، اور مصلحت کلی اس کا منشا ہوتا ہے - اب اصطلاح میں سلسلۂ مندمجہ کو

' قدر ' کا نام دیا جاتا ہے ، اور جو امور طبیعت کلیہ کے احکام سے وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں انہیں ' قضا ' کہا جاتا ہے۔

لمحہ ۳۲

کشف صحیح کے ذریعہ سے یہ بات ہمارے نزدیک ثابت ہو چکی ہے کہ وجود کے اندر روحانی موطن ہوتا ہے جو اکثر حوادث کا مبداء ہوتا ہے مثلاً رسولوں کا بھیجنا اور ملتوں کا قائم کرنا ۔ سلف نے روحانی موطن کا نام حظیرۃ القدس رکھا ہے اور ہمارے لیے یہ لوگ اچھا نمونہ ہیں ۔ اگر تو ان کی حقیقت کو پہنچنا چاہے تو جان لے کہ جس طرح ہر نفس جزئی کے اندر بہت سے نقطے پائے جاتے ہیں اور ہر نقطہ کے مقابلے میں خاص احکام اور خاص آثار ہوتے ہیں اور نفس جزئی کا مبداء ہوتا ہے جو ان نقاط کو واجب قرار دیتا ہے ، لہٰذا اگرچہ بادی النظر میں ان نقاط کا معاملہ مشتبہ ہوتا ہے لیکن ایسی گہری نظر جو ہر حق دار کا حق ادا کرے کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ نہیں ملاتی ، مثلاً ہم کہیں کہ انسانی فرد ناطق ہے ، چلنے والا ہے ، ہنسنے والا ہے ، کاتب ہے ، سفید ہے ، وغیرہ وغیرہ ۔ چناں چہ وہ نقطہ جس کے اعتبار سے وہ سفید ہے وہی نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ ناطق ہے اس لیے کہ تو ہر انسان کو ناطق دیکھتا ہے ۔ اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ نقطہ جو نطق کو واجب قرار دیتا ہے تمام افراد انسانی میں مشترک ہے کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کئی ایک پتھر بھی سفید ہیں اور بہت سے انسان سیاہ ہیں ۔ لہٰذا یہ نقطہ وہ نقطہ نہیں جس کی وجہ سے وہ بولتا ہے ، اگرچہ محل کے اعتبار سے دونوں اکٹھے وارد ہوتے ہیں ۔ اسی

طرح نفس کلیہ کے بھی بہت زیادہ نقطے ہوتے ہیں جو ہر اُس حالت کے بالمقابل ہوتے ہیں جو اس پر عمر بھر میں ایک دن طاری ہوں ۔ اور نفس کلیہ کے بعض نقاط وہ ہوتے ہیں جو 'تحقق' اور 'فعلیت' کے بالمقابل واقع ہوتے ہیں اور یہ نقطہ واجب لذاتہ کی تمثال ، اس کی تجلی اور اس کی حکایت میں پایا جاتا ہے اور یہ حظیرۃ القدس کی اصل ہے ۔

اور جب افلاک اپنے علوم اور قوتوں سمیت پائے جاتے ہیں تو پہلی چیز جس کا انہیں تصور ہوتا ہے وہ واجب لذاتہ ہوتی ہے ۔ لہٰذا واجب لذاتہ کی صورت ایک ایسا امر ہوتا ہے جس پر اس کے تمام علوم کا اتفاق ہوتا ہے ، اور چوں کہ وہاں لاعلمی اور اشتباہ نہیں ہوتا لہٰذا ضروری ہے کہ واجب لذاتہ کی یہ صورت ان نقاط پر کسی حد تک صادق آئے ۔ یہ حظیرۃ القدس کا پہلا ظہور ہے ۔ پھر جب اسباب نے اس بات کا تقاضا کیا کہ ملائکۂ علوی اور ان نفوس عارفہ کو پیدا کیا جائے جو ملائکۂ علوی کے ساتھ لاحق ہیں تو یہ اپنی سرشت کی وجہ سے اس بات پر مجبور ہوگئے کہ یہ حظیرۃ القدس کی طرف مائل ہوں ، جس طرح کہ ہر ذی طبیعت اپنے حیز کی طرف مائل ہوتا ہے ۔ اور جب یہ اسباب اس نقطہ تک پہنچ گئے اور اس کو گھیر لیا ، اور اس کے سامنے عاجزی کی تو ان کی استعداد کے مطابق ان کے لیے احکام ہوگئے ۔ اس وقت جا کر حظیرۃ القدس کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے ۔ اگرچہ حیز کے اعتبار سے یہ حظیرہ کسی خاص مکان کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا ، لیکن اس کی حالت کی قریب ترین تعبیر یہ ہے کہ یہ رحمان ہے جو عرش پر بیٹھا ہے ، اور ملائے اعلیٰ عرش کو اٹھائے ہوئے ہے ، اور قضا وہیں سے نازل ہوتی ہے ۔

لمحة ۳۳

جس طرح نباتات کے شخص کی طبیعت ہے جس کے اندر اس کا تمام نظام پایا جاتا ہے، اسی طرح نفس کلی کی بھی طبیعت ہوتی ہے جس میں موجودات کی تمام اشیا کا نظام مشتمل ہوتا ہے۔ اسی کے اندر افلاک و عناصر بھی ہوتے ہیں۔ پھر ان دونوں کے ازدواج سے موالید پیدا ہوتے ہیں۔ پھر یہ موالید ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں تو وہ اطوار پیدا ہوتے ہیں جن میں سے بعض خیر نسبی سے قریب اور بعض بعید ہوتے ہیں۔ جہاں تک بھی ہو سکے سخاوت میں بھلائی کا پہنچانا واجب ہوتا ہے۔ اسی قیاس پر بعض امور دیگر امور پر موقوف اور مترتب ہوتے ہیں۔ ان آثار میں نہ اختلاف ہوتا ہے نہ اتفاق، اور نہ وسعت فعل اور علت تامہ کے مطابق ترک فعل ہوتا ہے، بلکہ وہاں ایک سلسلہ ہوتا ہے جس سے طبیعت سرمو انحراف نہیں کر سکتی۔ پھر یہ سلسلہ اسی طریقہ پر ظاہر ہوتا ہے، اس سے تجاوز نہیں کرتا۔

اور جب نفس کلی اور اس کی طبیعت کا فیضان 'اول' سے ہے اور اس کے برقرار رکھنے سے یہ برقرار ہے تو یہ ضروری ہوگیا کہ اس طبیعت کا سہارا اس جزو پر ہو جو 'اول' کے مشابہ ہے۔ نیز اس نقطہ پر ہو جو مبداء کو اپنے نقاط کے قریب کر دیتا ہے۔ یہی چمک دار نقطہ ہے جس کے نور نے موجودات کے تمام نقاط کو مغلوب کر رکھا ہے۔ اور اپنی تاثیر کی وجہ سے ہر حادث کے اندر گھس گیا ہے۔ تمام وہ امور جنھیں ہم نے طبیعت کی طرف منسوب کیا ہے اسی سے نکلتے ہیں۔ لہٰذا ہر اس شخص کی زبان، جس نے اس نقطہ کا مشاہدہ کر لیا ہو اور اسے کائنات کی تمام چیزوں پر

غلبہ دیا ہو ۔ اس سوال پر کہ 'مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا ؟'، یہ جواب دے : 'عما میں تھا جس کے نہ نیچے ہوا ہے نہ اوپر'۔ عما میں ہونے کی وجہ سے پیشتر اس کے کہ یہ نوع یا جنس میں منقسم ہو اس کلی نقطہ کا تعلق اترتا ہے، خواہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا نیا ارادہ ہی کیوں نہ ثابت ہو جائے جو حوادث کا سبب بنتا ہے۔ پھر جس طرح آگ کے 'جلانے والی' ہونے کے لیے طبیعت ناریہ کے سوا کسی اور علت کا سہارا لینا پڑتا ہے اس ارادہ کو کسی اور چیز کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ یا یہ کہ قضا کے نازل ہونے کا اعتماد عرش پر ہے، نیز وہ یہ کہے کہ فرشتے اس کے مطیع ہو جاتے ہیں۔

لمحہ ۳۴

حق تعالیٰ کے افعال اگرچہ بہت ہی زیادہ ہیں مگر یہ چار جنسوں سے باہر نہیں ہیں : ابداع، خلق، تدبیر اور تدلی۔ کسی چیز کا عدم محض سے وجود کی طرف لانا ابداع کہلاتا ہے اور یہ فعل اللہ تعالیٰ اور ان چیزوں کے درمیان جاری ہے جو ایک حالت سے دوسری حالت میں متغیر ہوتی ہوں، اور اس کی طرف حاجت کا باعث امکان اور کسی چیز کا لذاتہ غیر واجب ہونا ہے۔ اس کا مرجع لزوم اور ضرورت کی طرف ہے۔ اور خلق یہ ہے کہ کسی چیز سے کوئی اور چیز بنا دی جائے، اور یہ اللہ اور ان چیزوں کے درمیان ہوتا ہے جو ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلتی ہوں۔ اس پر جو اثر مرتب ہوتا ہے وہ افلاک، عناصر اور دیگر تمام انواع کا اپنے خواص اور آثار کے ساتھ ظاہر ہونا ہے۔ اس میں اس بات کی حاجت

ہوتی ہے کہ ایک چیز کا پہلے مادہ موجود ہو اور اس پر مدت گذر چکی ہو، اور نفس کلی میں تمام کی تمام حالتیں شامل ہوں۔ لہذا جب قوتیں قوتوں کے ساتھ ملتی ہیں تو یہ امتزاج اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نفس کو جسم کے اس حصہ کے تناسب کی طرف اتار دے اور مرجع اس چیز کے ظاہر کرنے کی طرف ہوتا ہے جو چھپی ہوئی ہو، اور یہ کہ ایک چیز جو وجود کے ساتھ موجود ہو کوئی اور وجود پہن لے۔ اس کی فاعل ذات الٰہی ہوتی ہے بشرطیکہ نفس کلی میں اس کا دائمی فیضان ہوتا ہو، اور نفس کلی اپنے خواص اور احکام کے ساتھ اس کا قبول کرنے والا ہوتا ہے۔

تدبیر یہ ہے کہ جہان میں اس طرح رد و بدل کیا جائے کہ حوادث مصلحت کلی کے مطابق ہو جائیں، اور یہ فعل اللہ اور ان امور کے درمیان ہوتا ہے جو کثرت تعداد کا محل ہیں، مثلاً نوع اور اشخاص۔ اور یہاں قویٰ کے قویٰ کے ساتھ امتزاج کی ضرورت ہوتی ہے، بشرطیکہ یہ تدبیر اس شر تک نہ لے جائے جس کو دور کرنے کو اللہ کی حکمت میں واجب سمجھا جاتا ہے، اور اس کا مرجع ذو ارادہ اشخاص کی طرف الہام کرنا ہوتا ہے، مثلاً ملائکہ، انسان اور بہائم۔ نیز اس طرف ہوتا ہے کہ موالید کی طبع کا احاطہ کیا جائے، اور وہ تقریبات ہیں جو ان دونوں قسموں سے مرکب ہیں۔ اور فاعل ذات الٰہی ہوتی ہے، بشرطیکہ نفس میں اس کا فعل صنف اور جنس بنانے کا ہو، نیز اس شرط پر کہ مصلحت کلی اور موالید کے قبول کرنے والے کا خیال رکھا جائے۔

تدلی کی اصل اللہ تعالیٰ کا جہان میں مدبر ہو کر ظاہر ہونا ہے جس طرح نفس ناطقہ جسم کی تدبیر کرتا ہے۔

خواب یا بیداری یا معاد میں اس تجلی کے عکس ظاہر ہونا بھی اسی ظہور کی فرع ہے ۔ لہٰذا پہلی قسم کا ظہور جہان میں تدبیر کا منشا ہے ، اور دوسرا اللہ اور بنی آدم کے اشخاص کے درمیان ۔ اور جو اثر اس پر مرتب ہوتا ہے وہ علم اور رشد یا تکمیل نفوس کا ظاہر ہونا ہے ۔ اور یہاں حاجت یہ ہوتی ہے کہ ان مذاہب اور ان کی تکمیل مصلحت سے ہو ۔ اور یہ اس دن تدلی کے سوا مکمل نہ ہوگی ۔ اس کا فاعل حق تعالیٰ ہوتا ہے ، بشرطیکہ وہ تدبیر کے ساتھ موصوف ہو ۔ اور اس فعل کا قبول کرنے والا تمام کی تمام نوع انسانی اور بذات خود اشخاص انسانی ہیں ۔

لمحہ ۳۵

خلق ابداع کی تکمیل ہے ، تدبیر خلق کی تکمیل اور تدلی تدبیرات کی تکمیل ہے ۔ یہ اس طرح ہے کہ خلق سے مراد مادہ اور صورت میں وہ تصرف ہے جس سے بہت سی صورتیں حاصل ہوں اور یہ تمام نفس کلی اور مادہ کے اندر شامل ہیں ۔ لہٰذا جب مخلوق ظاہر ہوگئی تو یہ امتزاج قویٰ اور مشتمل چیزوں کے ظاہر ہونے کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا ۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے " مبدع اول ، کو ایجاد کیا تو اس میں تھوڑا سا اجمال ظاہر کیا جو ابد تک ظاہر ہوتا رہے گا ۔ پھر جب انواع اور اشخاص اپنے آثار اور احکام کے ساتھ ظاہر ہوگئے اور مزاحمت واقع ہوئی تو طبیعت کلی نے ان تمام کا وزن کیا اور اس نے اس کی مصلحت کلی کو ۔ جو اس طبیعت کی اصل سے پیدا ہوتی ہے ۔ راجح قرار دیا ۔ تدبیر کے اندر صرف یہ چیزیں پائی جاتی ہیں : علوم اور ارادات

کا پیدا کرنا، طبیعتوں کا بدلنا اور تکلیف شرعی کے لیے مستعدوں کی تدبیر کرنا ۔ جو آخر میں حظیرۃ القدس میں عکس اور تجلیٔ اعظم کی تجلیات کے ظاہر ہونے پر منتہی ہوتی ہے ۔ اسی لیے کہ کون کی طبیعت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جن امور کو فعل 'خلق' نے مضبوط کر رکھا ہے انہیں تدبیر باطل نہ کرے ۔ اور نہ تدلی ان امور کو باطل کرے جنھیں تدبیر نے مضبوط کر رکھا ہے ۔ لہذا تدبیر سے جنس شیاطین اور نفوس امارہ کی جنس باطل نہ ہوگی بلکہ ملائکہ اور انبیا مبعوث ہوں گے جو ان امور کے خلاف کوشش کریں گے جن کی کوشش شیاطین کرتے ہیں ۔

لمحہ ۳۶

سب سے بڑا سبب جس کا خیال جہان میں رکھا جاتا ہے مصلحت کلی ہے ، اور مبدا سے ان اشیا کا لازمی طور پر صادر ہونا جن کا مطالبہ اسباب کرتے ہیں ، علیٰ ہذا القیاس دیگر امور ، اور ان کا ارادۂ واجبہ سے ظاہر ہونا ۔ ہمارے نزدیک ان دونوں میں کوئی تزاحم نہیں ۔ چناں چہ جس طرح نباتات کے وجود کے اندر ایک قوت ایسی ہوتی ہے جو جسم کے مناسب حال غذا کو بدلنے کا مبدا ہے ، نیز یہ قوت پتے، پھول، ٹہنیوں اور پھلوں کو ایک طرز میں آگانے کا مبدا ہے کہ یہ اس طرز سے تجاوز نہیں کرتا ۔ پھر یہ محدود وقت کا مبدا ہوتا ہے جس میں نباتات ایک معلوم حد تک نشو و نما پاتی ہے ، پھر محدود وقت تک اسی نمو پر قائم رہتی ہے ۔ اس کے بعد اس مبدا کا وقت آتا ہے جس میں نباتات مرجھا کر خشک ہو جاتی ہے ۔ پھر وقت آتا ہے کہ اس کے آثار سے نفع حاصل ہوتا ہے ۔ اسی

طرح شخص اکبر کی طبیعت کلی ہوتی ہے، جس کا حکم یہ ہوتا ہے کہ اعضا کے لیے اس طرز پر ہونا ضروری ہے ۔ نیز ہر نوع ، بلکہ ہر چیز جو ایسی ہو ، اس حکم سے انحراف نہیں کرتی ۔

جب ایک ہی چیز کے اندر دو سببوں کا تنازع ہو جائے تو ضروری ہے کہ حکم ایسا ایسا ہو ، اور جب خیر عظیم کا سبب مفقود ہو اور اس نظام کل کے مطابق ، جو طبیعت کے اندر مندرج ہے ، اس کا موجود کرنا قبیح نہ ہو تو سبب بعید کا پھیلا دینا ضروری ہو جاتا ہے یہاں تک کہ یہ سبب مفید ہو جائے ، اور بالآخر معاملہ خیر عظیم پر ختم ہو جاتا ہے ۔ کبھی ابتدا اور انتہا کو زمانے کے ادوار کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ۔ چناں چہ کہتے ہیں کہ 'بدایت' اور 'نہایت' میں ادوار زمانہ کی تاثیر پائی جاتی ہے ۔ اس بیان میں تسامح پایا جاتا ہے ، لیکن صریح اور حق بات یہ ہے کہ یہ بدایات و نہایات اس طبیعت کلیہ کے جؤار کی طرف منسوب ہیں جو کبھی ان ادوار کے اندر شامل تھی اور کبھی ان میں پھیلی ہوئی تھی ، لیکن چوں کہ ان کا مآخذ بہت دقیق ہے ، یہ ان سے اتر کر زمان تک پہنچ جاتے ہیں ، مگر حق بات اہل حق سے مخفی نہیں ہوتی ۔

لمحہ ۳۷

ان اسباب میں سے جن کا خلق اور تدبیر میں لحاظ رکھا جاتا ہے افلاک کے طبائع بھی ہیں کیوں کہ موالید کو صرف اس وقت پیدا کیا جا سکتا ہے جب قویٰ مولدہ کا اجتماع ہو ۔ پھر مولود کی تعین میں ان قوتوں کی حالت کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور جب نطفہ رحم میں جاتا ہے اور کئی قسم کے ابتلا کے بعد علقہ (خون کا لتھڑا) ، پھر گوشت کا غیر مخلقہ

لتھڑا ، پھر مخلقه لتھڑا بن جاتا ھے ، تو یه لتھڑا اس بات کے لیے تیار ھوتا ھے که اس میں وہ طیب اور معتدل ھوا پیدا ھو جائے جو روحانیات کے مشابه ھو جاتی ھے اور جب یه ھوا پیدا ھو جاتی ھے تو نفس کلی بذات خود ایک ایسی جزئی بن کر وھاں نازل ھوتا ھے جو اس دن ھیئت عالم کے مناسب ھوتی ھے - اس کی وجه یه ھے که جب تو نفس ناطقه کا اعتبار فاعلی اور قابلی جهت کے خیال سے کرے گا تو یه ایک گیند کے متشابه ھوگا جس کی نچلی سیخ کی انتہا والدین کی اصل میں ھوگی اور اس کی اوپر کی سیخ وہ ھوگی جہاں سے اس کی اصل کا انتشار لوگوں میں ھوا اور لوگوں نے اس کے فضل کو قبول کیا اور آخری دو میں سے ایک نے خود اپنے آپ کو قبول کیا اور جو اس میں اثر کرتا ھے یا اثر پذیر ھوتا ھے اس کا مقابله کرنا ان امور کی طرف توجه دلاتا ھے جن کی شان ھی یه ھے که وہ اس کی طرف سخت کھنچیں اور مائل ھوں ، نیز ان کی طرف جو اس سے کم جذب کرتے ھیں ، وعلیٰ ھذا القیاس- ان جہات کا وھی جانشین ھو سکتا ھے جس کا تقاضا اس دن عالم کرتا ھے - للهذا جب طالع صاحب السباع (درندوں والے) پر مشتمل ھوگا تو لازمی طور پر اپنی فاعلی جهت کے اعتبار سے نفس قوی پیدا ھوگا، اس طرح که وہ اپنے دشمن پر غالب آئے گا ۔ اور دشمن اس کا مقابله نه کر سکے گا - اسی طرح اس کی ھر جهت اس طرح پیدا کی جاتی ھے جس طرح عالم کی ھیئت اسے عطا کرتی ھے - ان جہات نفس کا نام بخت رکھا جاتا ھے - چناں چه جب بچه بڑا ھو جاتا ھے اور دشمنوں کے ساتھ اس کے معاملے کا وقت آتا ھے تو حق تعالیٰ اس کے بخت کی حالت کو نگاہ میں

رکھتے ہیں اور اس کی مخالفت کے لیے صرف ان لوگوں کو برانگیختہ کرتے ہیں جن کے متعلق انہیں علم ہوتا ہے کہ یہ عنقریب ان کے دلائل کو باطل کر دے گا ۔ نیز اللہ تعالیٰ ایسے اسباب برانگیختہ کرتا ہے جن کی وجہ سے یہ غالب ہو جاتا ہے ۔

مختصر یہ کہ وہ اس شخص کی حالت کا خیال اس کے بخت کے عطیہ کے مطابق رکھتا ہے ۔ نیز ان تمام لوگوں کی حالت کا خیال رکھتا ہے جو اپنے بخت کے عطیہ کے مطابق معاملہ کرتے ہیں اور نفس کے اندر جہات اس وقت پیدا کی جاتی ہیں جب کہ جنین میں نفس ناطقہ کے ظہور کی ابتدا ہوتی ہے۔ اسی لیے صادق مصدق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نفخ روح کے وقت اللہ کے حکم سے چار باتیں لکھی جاتی ہیں : نر ہے یا مادہ ، بد بخت ہے یا خوش بخت ، اس کے اعمال کیسے ہوں گے اور اس کا رزق کیا ہوگا ؟ نطفہ کے گرنے کا وقت اس کی بنیاد کے ظہور کا وقت ہوتا ہے ، اور بچے کے گرنے کا وقت اس کے فعل کی دلیل ہے ۔ اسی طرح حوادث کے پیدا کرنے اور ان کے پورا کرنے میں کواکب کے حال کا خیال رکھا جاتا ہے ۔ چناں چہ جب حالت جنگ یا دوستی کا اقتضا کرے تو اسے پورا کرد یا جاتا ہے ، اور ہر چیز کے لیے وہ اسباب مہیا کر دیے جاتے ہیں جو اس کے مناسب ہوں ۔

لمحة ۳۸

جہاں تک کرۂ ارض اور کرۂ ماء کا تعلق ہے زحل کی طبیعت ان کے حال کے ساتھ نفرت کا تقاضا کرتی ہے اور ان پر ایسا مرض طاری نہیں ہوتا جو انہیں اپنی طبیعت سے نکال کر موالید کی طبیعت کی طرف لے جائے ۔ اس زحل میں اس قدیم

کی طرف بھی نسبت پائی جاتی ہے جو صورت سے بلند و بالا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو شعائر اللہ کی تعظیم بھی نہ ہوتی اور نہ موالید میں سے کوئی چیز قدیم کی طرف ہی منسوب ہوتی - مریخ کا خزانہ غضب اور جنگ ہے اور اس حرارت اور طبیعت کا شعلہ زن ہونا ہے جسے غضب اور جنگ بھڑکاتے ہیں - جہاں تک مشتری کا تعلق موالید کے ساتھ ہے یہ سعد ہے - وہ بات جس کا فیضان اس سے ہوتا ہے یہ ہے کہ موالید کی صورت نوعیہ کا حکم اپنی صحیح حالت میں ظاہر ہو - لہٰذا مشتری کی قوت کے وقت جب صورت انسانیہ کسی جسم میں ظاہر ہوگی تو اس کا حکم یہ ہوگا کہ وہ کامل اور وافر ہو - سورج کا حکم غلبہ کا ہے اور اس میں تعظیمی طور پر آسمان اور زمین کے چاندوں کی طرف توجہ اور عبادت کا مفہوم مضمر ہے - زہرہ کا فیضان ان تمام چیزوں کا ہوتا ہے جو تکمیل صورت کی فرع بنتی ہیں، مثلاً جب اس میں صورت نوعیہ کی تکمیل ہو جائے تو وہ خوب صورت ہوگا - اسی طرح زہرہ روح پر دلالت کرتی ہے، اس لحاظ سے کہ یہ نکل کر عالم قدس کے مشابہ ہوجاتی ہے، اور اس کے رنگ میں رنگی جاتی ہے - یہی وجہ ہے کہ ہر عارف کو اس سے حصہ ملتا ہے - علوم مرتبہ و مدونہ عطارد کے لیے ہیں، اور وہ توجہ جو اس تک پہنچاتی ہے - وہ اس قسم کی ہوتی ہے جیسے بیدار ہونے والا پہلی بار بیدار ہوتے ہوئے محسوس کرتا ہے جب کہ وہ اچھل کر تکلف سے بیدار ہوتا ہے - چاند کا حکم معتدل نسبت ہے اور اسی نسبت میں پاکیزگی کے معنی بھی پائے جاتے ہیں - ان ستاروں کے معانی کئی جہتوں سے ہر نفس ناطقہ میں پائے جاتے ہیں لیکن غلبہ اور مغلوبیت ان اتصالات کے

حکم سے ہوتا ہے جو روح پھونکنے کے وقت حاضر ہوتے ہیں اور اس میں نفس فلکی اترتا ہے ۔

لمحہ ۳۹

ملک کا لفظ مختلف حقیقتوں پر کئی معنوں میں مستعمل ہے ، ایسے معنی جو آثار و خواص میں سے ہیں اور صفات نفسیہ میں سے نہیں ہیں ۔ لہذا اس حیثیت سے کہ نفوس کلیہ کے ساتھ خلق اور تدبیر کے احکام وابستہ ہیں انہیں ملائکہ کہا جاتا ہے ۔ ان ملائکہ کے فیوض اور علوم کی مشابہت طبائع کے ساتھ ہے ۔ چناں چہ نہ تو ان میں متجدد ارادے پائے جاتے ہیں نہ تغیر اور نہ ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیلی ، لیکن انسانی نفوس اپنی ہمتوں کی وجہ سے ان تک پہنچ جاتے ہیں اور ان کے علوم ان کے ساتھ جا ملتے ہیں اور ان کے مشابہ ہیں ۔ لہذا ان نفوس کی قوتیں نفوس انسانی کے لیے طبعی مثالیں پیش کرتی ہیں ۔ حکمت کلی میں یہی تشخص کا سبب بن جاتا ہے ۔ اسی طرح روز مرہ کے حوادث بھی ان کے بہت سے علوم مشخص کردیتے ہیں ۔

لمحہ ۴۰

جان لیں کہ نفس فلکی میں گذشتہ اور آئندہ امور کے متعلق ایک قسم کا ادراک پایا جاتا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنے نفس میں ادراک کے زمانہ میں اپنے رب سے ان حوادث یومیہ کا ادراک پا لیتے ہیں جو ان کے قول سے منتظم ہوتے ہیں ۔ نیز ان اسباب کے ادراک کو پا لیتے ہیں جو اس ادراک کو پہنچاتے ہیں ۔ حوادث کے اسباب یا تو طبعی ہوتے ہیں اور نفوس فلکیہ ان کا ادراک اسی طرح

کر لیتے ہیں جس طرح ہم اپنے بدن کے عوارض کا ادراک کر لیتے ہیں ، یا ارادیہ ہوتے ہیں جو نفوس فلکیہ سے پیدا ہوتے ہیں ۔ اور کسی ایسے طبیعی یا الٰہی سبب تک پہنچتے ہیں جس کا فیضان اس دن صرف خیر کی رعایت رکھتے ہوئے کیا گیا ہو اور اس قسم کے فیضان کے لیے وہ قوی ترین قوتیں ۔ جن کے حال کی رعایت رکھی جاتی ہے ۔ افلاک کی قوتیں ہیں ۔ لہٰذا نفوس فلکیہ قریب ترین چیز ہیں جن پر باری تعالیٰ کی طرف سے ماضی اور مستقبل کے علوم کا فیضان ہوتا ہے ، اور ان نفوس فلکیہ میں میں سے قوی ترین فلک اطلس (فلک الافلاک) کا ہے ، کیوں کہ یہ اپنے سے نیچے کے تمام افراد پر قاہر ہے ۔ چناں چہ تو دیکھتا ہے کہ یہ حرکت یومیہ میں ۔ جو مشرق سے مغرب کو ہے ، ان پر غالب آتا ہے ۔ اس کے بعد دیگر افلاک آتے ہیں ، پھر نفوس عالیہ ان کے ساتھ ملے ہوتے ہیں ۔ نفوس کی مدت کا ادراک ادراک عقلی ہی ہو سکتا ہے ، لیکن جب ادراک عقلی کلی کی چیز کو تمام اطراف سے گھیرے ہوئے ہو تو یہ ' شخص ' کے جزئی ادراک سے بہت ہی قریب ہوتا ہے ۔ پھر جب ' نفوس سافلہ ' اس کے ساتھ مل جاتے ہیں تو تخیل اور توہم واقع ہوتا ہے ، اور نفوس فلکیہ عمدہ مناسبت کی وجہ سے ان کی واضح مدد کرتے ہیں ۔

القصہ جب عالم واقع ہونے والے علوم کے فیضان کی وجہ سے آمادہ ہو جاتا ہے تو بیدار ہو جاتا ہے ۔ یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب کوئی دور پایا جائے اور اس کی نوعیت کی طرح کی چیز پیدا ہو جائے اور علوم ان چیزوں میں پلٹ جائیں جو ان کے مناسب ہیں تو تمھارے ' مدارک ' میں ایک صورت کا وجود آ جاتا ہے اور تمام مدارک اس کے تصور میں ایک

دوسرے کی مدد کرتے ہیں - یہ صورت اس وقت اپنے رب کے سامنے فضا میں معلق ہو کر کھڑی ہو جاتی ہے اور اس نے نہ کسی اس چیز پر سہارا کیا ہوتا ہے اور نہ کسی مخصوص نفس پر - اس وقت اس کا نام ' صورت مثالیہ ' رکھا جاتا ہے - جہان کے لیے اس کا حکم یہ ہے کہ جو بھی زمین کا ' حادث ' ہے وہ زمین میں پیدا ہونے سے ایک مدت پہلے اس جہان میں پایا جاتا ہے - رہا وجود اجمالی جسے ' لوح محفوظ کی لکھت ' سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ پچاس ہزار سال کے قریب ہوتا ہے - بڑے اہم امور کا تفصیلی وجود ایک ہزار سال کے قریب ہوتا ہے جسے ' وجود الارواح قبل الاشباح ' سے تعبیر کیا جاتا ہے - ہر واقعہ کی ایک روح ہوتی ہے جو اس کے مناسب ہوتی ہے - اس کے بعد جب اس کے واقع ہونے کا وقت آتا ہے اور اللہ تعالی عرش پر سے اس کا فیصلہ کر دیتے ہیں اور ملائکہ اس کے فرمان کے مطیع ہو جاتے ہیں تو یہ زمین میں اترتے ہیں -

ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض اوقات بلند نفوس کسی وجود یا تدلی کو خاص مکان میں اپنی طرف کھینچتے ہیں جس سے پانی جسم مطلق کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور ایک ایسا وجود پیدا ہو جاتا ہے جو ' خرق و التیام ' کو قبول نہیں کرتا ' مثلاً موسیٰ علیہ السلام کی آگ اور مریم کے لیے جبریل کا بشر کامل بن کر سامنے آنا اور جبریل کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایمان ' احسان ' اسلام اور قیامت کی علامات کے متعلق سائل بن کر آنا -

ان میں سے جنت اور دوزخ کا ظاہر ہونا ہے، مگر جنت اور دوزخ کا منبع عرش کے نیچے ہے جہاں عرشی قوتیں فلکی قوتوں کے ساتھ ملتی ہیں - اب رہا ان کا مظہر ' تو کبھی یہ

زمین کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صلواۃ کسوف پڑھتے ہوئے آپ کے اور قبلہ کی دیوار کے درمیان ظاہر ہوا ۔ کسی کو یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ چیزیں صرف اپنی صورت میں ظاہر ہوئی تھیں ، اس لیے کہ صورت میں حرارت اور روح نہیں پائی جاتی ۔

اس میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ فرشتوں کی ایک قسم ایسی ہے جن کے سینوں میں ان کی استعداد کے مطابق الہام اور عالم مثال کی نقل اور تشبیہات کا فیضان ہوتا ہے ۔ چناں چہ انھیں ان کا الہام ہوتا ہے ۔ نیز ان کے سینوں میں دعائیں ڈال دی جاتی ہیں ۔ تو یہ جود الٰہی کے تیار کرنے والے دروازوں میں سے ایک دروازہ بن جاتا ہے ۔ بعض اوقات انھیں اس بات کی بھی قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق شکل اختیار کر لیں ۔ یہ اس طرح ہوتا ہے کہ خوف کا تخیل مختلف درجوں پر قوت مثالیہ سے تائید حاصل کرتا ہے ۔

اسی میں سے ہے کہ دیکھنے والے کی نگاہ مطلوبہ صورت پر پڑے ۔ اسی میں سے ہے کہ پانی جسد مثالی کے ذریعہ ایسا جسم مطلق بن جاتا ہے جس کی روح مثالی طور پر یہ ' شخص ' اور اس کا جسم ہوتا ہے ۔

لمحہ ۱۴

اسی طرح ملائکہ کا اسم ان نفوس پر بولا جاتا ہے جن کا پیدا ہونا طبیعت کلی کے نظم کو ضروری قرار دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح یہ اسم افلاک ، عناصر اور کواکب سے انواع اور اجسام کلیہ کے صادر ہونے کا مطالبہ کرتا ہے ، اس طرح اس کا یہ بھی مطالبہ ہوتا ہے کہ ایسے

اشخاص صادر ہوں جن کے بغیر اپنے اصل وجود یا کمال مطلوب میں کوئی بڑی نوع منتظم نہیں ہوسکتی - اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ کو ازل میں ہی اس بات کا علم تھا کہ جب لوگوں کو فلاں فلاں مزاج پر پیدا کیا جائے گا اور ان کی ' تدبیر ، کو افلاک کی فلاں فلاں شکل دی جائے گی تو اس سے یہ ضروری ہو جائے گا کہ ان میں عام فساد برپا ہو اور ان کا اکثر امور میں مناسب طریقہ کے خلاف طرز اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت میں اس بات کو واجب قرار دیتا ہے کہ ان میں ایک ذکی انسان بھیجا جائے جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور شان کو بلند کرے اور اس کے طریقوں کو مدت دراز تک رکھے - نیز یہ کہ فلاں شخص میں یہ (ذکی) انسان بننے کی سب سے زیادہ صلاحیت پائی جاتی ہے - لہذا فلاں ایک ایسا وجود بن گیا کہ جب پہلی بار اس کی مثال بنی تو نوع کی سی مثال بنی - لہذا یہ فرد انواع کے حکم میں ہوا - اسی طرح لوگوں کو بھی یہ معلوم ہے کہ جب انہیں قیامت کے دن اکٹھا کیا جائے گا تو ان میں سے اکثر لوگ بد اعمالیوں میں ملوث ہوں گے - لہذا ان کے سدباب کا اختیار اس ' جود اعظم ، کو دیا گیا جو ان کی میل کچیل دھو ڈالے ان سے گندگی دور کر دے - لہذا ان کی جہالت کی نگہداشت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور ایسے ذکی نفس کے بغیر ممکن نہ تھا جو اللہ کی مخلوق کی شفاعت کرنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف ہمہ تن توجہ کے رنگ میں رنگا ہوا ہو اور ان نورالٰہی کی خدمت کرنے کی اس قدر مشق کی ہو کہ وہ مخلوق کا ایک عضو اور ان کا ترجمان بن جائے - چناں چہ اللہ تعالیٰ کو ازل ہی میں اس کا علم تھا اور اس کی صورت مثال بن کر جب

سامنے آئی تو وہ انواع کی صورت تھی - اسی طرح معاملات بھی نوری جسموں میں پھونکے ہوئے نفوس کے ظہور کے بغیر منتظم نہیں ہوتے - ان کا بھی اللہ کو ازل میں علم تھا اور ان کی صورتیں بھی جب مثال بن کر سامنے آئیں تو انواع کی طرح بن کر آئیں - انہی میں سے جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل اور وہ حاملین عرش ہیں جو لوگوں کے لیے دعا کرتے ہیں - ملائے اعلیٰ کے سردار بھی ان ہی میں سے ہیں -

لمحہ ۴۲

اسی طرح ملائکہ کا اسم 'شخص اکبر' کی ان قوتوں اور استعدادات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جن کا مرجع جہان کا ایسے طریقہ پر صادر ہونا ہے کہ جس کا اقتضا جود ذاتی کرتا ہے - اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ قوتیں عالم مثال میں تعینات اور تمثلات کا لباس پہن لیتی ہیں - لہذا یہ لباس پہننے کے بعد انھیں ملائکہ کا نام دیا جاتا ہے - چناں چہ حدیث میں مروی ہے کہ ہر قطرہ جو اترتا ہے اس کے ساتھ ایک فرشتہ اترتا ہے، پھر وہ کبھی بھی اوپر نہیں چڑھتا - نیز یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ فلاں خواب میں فلاں فلاں چیز کی مثال دی گئی ہے -

لمحہ ۴۳

اس صنف کی عظیم ترین صنفوں میں سے انوع کی مثالیں (مثل الانواع) ہیں کیوں کہ اس سلسلہ میں ان کا بہت بڑا اثر ہے - اس لیے کہ جب نفس کلی نوعیت کے نظامات کو سمجھ لیتا ہے اور پھر ان میں غور کرنے اور ان کیفیتوں کے ذریعہ سے جو اسے حاصل ہوتی ہیں اپنی عقل میں ان کی

تشریح کرتا ہے اور اس پر نفوس افلاک وغیرہ کا تعقل وارد ہوتا ہے تو یہ مثالی صورتوں میں مثل انواع اپنے رب کے سامنے کھڑی ہوں گی اور اس کے فیض سے ناسوت میں جہاں تک ہو سکے ان کے وافر و کامل ظہور اور ان کے احکام کے ظہور کا مطالبہ کریں گی - پھر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ان کے ظاہر ہونے پر سماوی اور ارضی اسباب کا اجتماع ہو جاتا ہے اور جو کچھ یہ مثالیں مدت سے مانگ رہی ہوتی ہیں انہیں دے دیا جاتا ہے - اس کے بعد کوئی رکاوٹ درمیان میں حائل ہو جاتی ہے تو وہ چیز ممنوع و مبغوض ہو جاتی ہے ، اس لیے کہ مثالیں شدت کے ساتھ اس کا مطالبہ کرتی ہیں اور اپنی مراد حاصل کرنے کے لیے جھگڑتی ہیں اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسباب کسی ایسے طوفان کے لیے اکٹھے ہو جاتے ہیں جس میں نوع کے افراد ہلاک ہوں تو اس وقت یہ مثالیں زبان قال سے نہیں بلکہ زبان حال سے یہ مطالبہ کرتی ہیں کہ زمین میں ان کا بت باقی رہ جائے - یہی وجہ تھی کہ نوح علیہ السلام نے حکم دیا تھا کہ ہر نوع میں سے دو دو جوڑے لاد لیے جائیں ، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ، پھر اسے ناپسند کیا اور فرمایا کہ یہ بھی ایک امت ہے - اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ مثالیں اپنے رب کے سامنے کھڑی زمین میں بت کی صورت کے وجود کی درخواست کر رہی تھیں - اسی طرح ملک، کا نام ان نفوس انسانیہ کے لیے بولا جاتا ہے جو ملائکہ کی اجناس میں سے پہلی دو جنسوں کے ساتھ لاحق ہو گئی ہیں - پھر عرش کے گرد چکر لگاتی ہیں اور وہاں کی کیفیت میں مکمل طور پر جذب ہو چکی ہیں اور اس سے انہیں کوئی چیز نہیں روک

سکتی ۔ لہذا وہ اللہ تعالیٰ کی سخاوت کے لیے تیار ہو جاتی ہیں اور اہل زمین کی بہت سی دعاؤں کو سنتے ہیں اور بہت سے الہامات کی زبانیں بن جاتے ہیں ۔ گردش کے آخری نصف میں نفوس کی کثرت کے وقت اس قسم کی چیزیں کثرت سے واقع ہوتی ہیں جس کی وجہ سے اکثر ان میں جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے ۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں 'مجھے ملائے اعلیٰ کے متعلق کچھ خبر نہیں جب وہ جھگڑ رہے تھے ۔ ' ان کی مخاصمت جھگڑے اور باتوں کے ذریعہ سے نہیں اور نہ ہی ایک دوسرے کو للکارنے اور دھکیلنے سے ہے ، لیکن ہر جزئی نظام کے مطابق حق کی دو عنائتیں ہیں اور ہر ایک کے لیے ملائے اعلیٰ سے خارجی عنایت ہوتی ہے جو اسے سپرد کی گئی ہوتی ہیں ۔ ان پر اکسایا گیا ہوتا ہے اور ان کے لیے دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہوتا ہے ۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دونوں ارادے بدوں اس کے کہ وہ مخالفت کا ارادہ کریں ایک دوسرے کے مخالف ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس مصلحت کلی کے مطابق جس کی مثال اس کے پاس ہوتی ہے ان کے درمیان قطعی فیصلہ کر دیتے ہیں ۔

لمحہ ۴۴

اسی طرح ملک کا نام ان نفوس کے لیے بھی بولا جاتا ہے جو ایسے لطیف اجسام میں پھونکے جاتے ہیں جن پر ستاروں کے محمود اتصال کے وقت ہوا غالب آ جاتی ہے ، بالخصوص مشتری ، زہرہ اور چاند کے اچھے اختلاط کے وقت ۔ ان کے کئی طبقات ہوتے ہیں ۔ ان میں سے بعض زحل ، مشتری ، مریخ وغیرہ کواکب کی فوج بن جاتے ہیں اور بعض اپنے

حالات کے اختلاف کے مطابق ملائے اعلیٰ کے سامنے ہوتے ہیں، مثلاً جبریل کی فوج اور میکائیل کی فوج ۔ اور بعض اپنی سرشت کے مطابق اسمائے الٰہیہ اور آیات قرآنیہ وغیرہ کے خادم ہوتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض لوگ ایسی چیزوں کے استعمال سے جو کواکب کی قوتوں کو متحرک کر دیں کواکب کی فوجوں کو مسخر کر لیتے ہیں اور ملائے اعلیٰ کی فوجوں کو ان اذکار کے ساتھ مسخر کر لیتے ہیں جو نفس انسانی کو ان کے ساتھ مشابہ بنا دیتے ہیں اور وہ خدام کی فوجوں کو ان کلمات کو بہت زیادہ تعداد میں پڑھ کر مسخر کر لیتے ہیں ۔

لمحہ ۴۵

میں نے ان ملائکہ کے حال کی بہت بڑی بات دیکھی ۔ ایک نہایت سعادت مند شکل آئی جو مزاج لطیف میں اس حد تک سرایت کرنے کا تقاضا کرتی تھی کہ معاملہ روح پھونکنے تک پہنچ جائے اور اس روز زمین اور آسمان کے درمیان جس قدر لطیف عناصر تھے ایک دوسرے سے لطیف طور پر مل گئے اور ان میں ایسا تعفن پیدا ہوگیا جیسا کہ حشرات الارض مثلاً مینڈک، مچھر، وغیرہ میں روح پھونکنے کے وقت عناصر کی کیفیت کے اختلاط میں پایا جاتا ہے ۔ لیکن یہ تعفن ارکان لطیف کے مناسب ہوا ۔ ان کے مناسب روح پھونک دی جاتی ہے ۔ اور اشکال فلکیہ اور ارکان عنصریہ کی وجہ سے ان کے حالات میں اختلاف ہوتا ہے ۔ چناں چہ ان میں تغذیہ اور تنمیہ کی قوت نہیں ہوتی ۔ لیکن ارواح کے دو رخ ہوتے ہیں ایک صرف بدن کی حفاظت کی طرف اور دوسرا مبادیٔ عالیہ کی طرف ۔

ان میں سے بعض جسم لطیف کی شکل ہوتے ہیں ۔ مثلاً

گول یا شش پہلو وغیرہ ، جیسے کہ زمین پر واقع گھر جن شکلیں اور پیمائش مختلف ہوتی ہے ۔ لہٰذا جب اوپر سے کوئی ایسا روحانی حکم نازل ہوتا ہے جو ان نفوس کے مناسب ہو خواہ کواکب کی طرف سے خواہ ملائے اعلیٰ سے یا شخوص مثالیہ اور ان ارواح کی طرف سے تحریک ہو جو مثال میں متمثل ہوکر واقع ہوئی ہیں تو جس طرح طبیعت کی وجہ سے حشرات کے اسباب حرکت میں آتے ہیں اسی طرح ان کے باطن میں بھی اسباب متحرک ہو جاتے ہیں ۔ جس طرح کہ جب حشرات نور دیکھتے ہیں تو اس داعیہ کی وجہ سے جو ان اندر اصل طبیعت سے پیدا ہوا ہوتا ہے اس کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں ۔ اسی طرح جب وہ گرمی محسوس کرتے ہیں تو گرم زمین سے بھاگ کر سرد زمین کو چلے جاتے ہیں ۔ اسی طرح وہ کبھی نمی سے خشکی کی طرف اور کبھی خشکی سے نمی کی طرف بھاگتے ہیں ۔ اسی طرح ان کے باطن سے بھی داعیہ اٹھتا ہے جیسے کہ ایک طبیعی مذہب ہو جس کی وجہ سے یہ ملائکہ کی عظیم فوجیں جہاں اللہ کا ارادہ ہو اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک میں یا کسی چیز کی محبت ہوتی ہے یا دشمنی ۔ چناں چہ جو انسان اور بہائم وہاں ہوتے ہیں ان کے نفوس میں اس داعیہ کی ہیئت کا نقشہ آ جاتا ہے اور پھر وہ اس داعیہ کے مطابق کام کرتے ہیں ۔

لمحہ ۴۹

اسی طرح ملک کا لفظ ان الفاظ اور اعمال کی صورت مثالیہ پر بولا جاتا ہے جو انسانوں سے صادر ہوتے ہیں ۔ اس کی تحقیق یوں ہے کہ نفوس کے درمیان نفوس انسانیہ کی عظیم

اور عجیب حالت ہے ، اس لیے کہ انھیں حظیرۃ القدس سے قریب الاخذ پیدا کیا گیا ہے ۔ اس حظیرۃ القدس کے گرد جو حاملین عرش اور معاملات کی تدبیر کرنے والے فرشتے (مدبرات امر) ہیں وہ (نفوس) طبعی طور پر اس کی طرف کھنچے آتے ہیں اور جو چیزیں انسانی نفوس میں دیر تک جگہ پکڑے رہتی ہیں وہ حظیرۃ القدس کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں ۔ لہٰذا بہت سے اعمال اور کلمات ایسے ہیں جن کی انسان مدت مدید سے مشق کرتے چلے آتے ہیں ۔ وہ حظیرۃ القدس اور ملائکۂ عظام کے مدارک میں ایک شکل اختیار کر لیتے ہیں اور افلاک اس صورت کو ان سے قبول کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے افلاک کے مدارک بمنزلہ اس ہیولیٰ کے ہوتے ہیں جو ملائکہ کے قویٰ کے لیے ہے اور علوم الافلاک منطبق ہو کر ایسی صورتیں بن جاتے ہیں جو حق تعالیٰ کے سامنے کھڑی ہوں ۔ یہ علوم نہ تو کسی خاص فلک کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور نہ کسی خاص فرشتے کی طرف ۔ اس وقت ان کا نام ملائکہ رکھا جاتا ہے ، اس لیے کہ ان کے جسم مثالی اور قائم صورتیں ہیں ۔ ان کی ارواح بھی ہوتی ہیں جو وہی معانی ہیں جو ان الفاظ سے سمجھ میں آتے ہیں اور جو ملائکۂ عظام اور نفوس کے پاس حاضر اور دیکھے جاتے ہیں ۔

یقیناً یہ اشخاص جواہر مثالیہ میں ملائکہ کے ہم شکل ہوتے ہیں ۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پڑھنے والا ان اسما کو پڑھتا ہے اور عامل ان اعمال کو کرتا ہے تو اس کے نفس کے جذر کی وجہ سے ایک وسیع سڑک نکل کر اپنی حقیقت مثالیہ کی طرف آجاتی ہے اور وہاں ایسی برکات حاصل کرتی ہے جو اس کے مناسب ہوں اور یہ بھی اسی قسم کی ہوسکتی ہیں ۔

نفوس بشریہ میں اس کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے کیوں کہ ان کے ہاں شرائع طے پاچکے ہیں ۔

لمحہ ۴۷

اسی طرح ملک کا نام انسانوں کی قوم کے لیے بولا جاتا ہے جن کی شان یہ ہوتی ہے کہ انھیں ایسا الہام ہوتا ہے کہ ان کے نفس اس الہام کو قبول کرتے ہیں اور اس کے مطابق چلنے میں متحیر ہوتے ہیں ۔ لہٰذا جس طرح ہیئت طبیعت کے داعیہ کے ساتھ کرتی ہے ، مثلاً بھوک پیاس اور شہوت وغیرہ ، اور یہ ہیئت اس داعیہ میں فنا ہو جاتی ہے اور وہ چیزیں باقی رہ جاتی ہیں جن کے ذریعہ سے یہ اپنے نفس مدارک اور مشاعر پر غالب آ جاتی ہے تا آں کہ اس کا ظاہر و باطن پر ہو جاتا ہے ۔ لہٰذا اگر اس وقت کوئی ایسا لطیف ادراک والا ہو جس کا نفس اس کے ساتھ چمٹ گیا ہو تو وہ اس کا ظاہر و باطن اس داعیہ کے رنگ میں رنگا ہوا دیکھے گا ۔ اسی طرح اس ' شخص ، کے نفس میں خاطر الٰہی یا خاطر ملکی بھڑک اٹھتا ہے ۔ پھر یہ خاطر اس کے نفس کی بلندیوں تک چڑھ جاتا ہے اور اس میں فنا ہو جاتا ہے اور باقی رہتا ہے اور اس پر اور اس کے مدارک پر غالب آ جاتا ہے ۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ مبہوت ، مدھوش اور مخبوط ہے تا آں کہ اللہ تعالیٰ ان کاموں کا فیصلہ کرتا ہے جنھیں وہ کرنے والا ہے ۔ لہٰذا وہ جب تک اس ہیئت پر رہتا ہے اسے ملک کہا جاتا ہے ۔ بسا اوقات وہ ایک چوپایہ ہوتا ہے جو الہام کو قبول کرتا ہے ۔ چناں چہ کہا جاتا ہے کہ ملک نے چوپائے کی شکل اختیار کر لی ۔

لمحہ ۴۸

تدبیر کی یہ صورت ہوتی ہے کہ جملہ اسباب ، مقتضیات اور عنایت کو ہر سبب کے مطابق نگاہ میں رکھا جائے اور یہ اس طرح ہوگا کہ جہاں تک ممکن ہو اُن امور کو اس پر وافر کر دیا جائے جن کا تقاضا ایسا ' خیر نسبی ، کر رہا ہو جو اس روز حسب امکان خیر مطلق کے قریب ہو ۔ لہٰذا اگر وہاں ایسے اسباب ہوں جو شر کے مقتضی ہیں حالاں کہ یہ سب خیر کے بغیر ظاہر نہیں ہوتے اور عناصر کو چھوڑ کر ملائے اعلیٰ اور ان عقلوں کے تخیلات کا منشا بھی یہی ہوں تو اس وقت ضروری ہوگا کہ یہ مناسب نظام کے فیضان میں اس طرح شامل ہو جائے کہ افلاک کی روحانیت اور عناصر کے طبائع کے حکم میں کسی قسم کا خلل نہ پڑتا ہو ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ 'مولود ، علم اپنے سے اعلیٰ علم سے کمزور تر اور ادنیٰ تر ہوتا ہے ، نیز اس لیے کہ تدبیر ایک ایسی صفت ہے جو خلق پر ثابت قرار دی جا چکی ہے ۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ کسی حکم کو نہ توڑا جائے ۔ پھر اگر اس کے ساتھ روحانیت کا کمزور سا اتصال ہو جائے اور ' مولود ، کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا جائے تو اسے زمین کی خبروں میں جاری کیا جائے گا اور ان کا اثر کچھ مدت کے بعد ہی مکمل ہوگا ۔ تب جا کر یہ روحانیت کی قوت بنیں گی اور وجود ناسوتی اس قوت سے مرکب ہوگا ، تب جا کر کہیں تکمیل ہو گی ۔ اور اگر زمین کا اتصال ایسا ہو جو کسی محبوب چیز کی ہلاکت کا موجب ہے اور فلکی قوتوں کے مطابق اس کے الگ الگ ہونے کا وقت بھی نہ آیا ہو تو اسے

کسی اور سبب میں پائیں گے ۔ اس طرح بیان کا تصادم ہوگا اور اس کے حکم سے ناراضگی کا اظہار ہوگا اور محبوب اپنی حالت میں رہے گا ، جس طرحؑ نار ابراہیم کہ اس پر مبارک زمہریر ہوا چلی اور اس ہوا کو آگ پر مسلط کر دیا گیا تو اس نے آگ کو ٹھنڈی اور سلامتی بنا دیا ۔

اور اگر اسباب اس کا تقاضا کریں تو یہ وجہوں پر منطبق ہوگا ، مثلاً ' وجہ منبسط ، اور ' وجہ منقبض ، ۔ اس پر ' نظام خیر ' حکم لگائے گا ۔ جس طرح آگ کبھی جلا کر اثر کرتی ہے تو اس چیز کو راکھ کر دیتی ہے اور کبھی اسے سیاہ اور خاکستری بنا دیتی ہے یا اس کا اثر اس طرح ہوتا ہے کہ چیز درد محسوس کرے مگر الگ الگ نہ ہو ۔

پھر اس میں برکت نہیں ہوتی تو یہ بجھ جاتی ہے بلکہ یہ بھی حکم ہوتا ہے کہ ہر سبب کے مطابق ' عنایت ، کا خیال رکھا جائے ۔ لہٰذا جب کواکب کے اتصالات اس کی موت کے طالب ہوں اور اس آفت کا فیصلہ بھی کر دیا گیا ہو تو صحیح بات یہ ہے کہ اس کے بدن کے مزاج کے مطابق اس کے بدن میں موت کی علت کا ہونا ضروری ہے خواہ یہ بیماری معمولی ہی کیوں نہ ہو ، مثلاً گر پڑنا یا درد ، حتیٰ کہ اگر طبیعی حکیم نے ایک ہزار سال بھی وقائع کا تجربہ کیا ہو وہ بھی نظام بدنی کی مخالفت کو نہ سمجھ سکے گا ، سوائے قبض اور بسط کے ذریعہ کے ۔ اور جب مزاج بدنی کے لحاظ سے مرنے والے کے متعلق کواکب اتصالات اس کے زندہ رہنے کے داعی ہوں اور اس کے شفایاب ہونے کا فیصلہ بھی ہو چکا ہو تو اس وقت کسی بدنی علت کا ہونا ضروری ہے جو اس کی طبیعت کی قوت کو قائم رکھے یا تریاق مل جائے

یا کوئی اور چیز - اسی طرح ریاضی دان اگر ہزار سال بھی تجربہ کرتا رہے نظام سماوی کی مخالفت کو نہ دیکھ سکے گا - البتہ اسی صورت میں دیکھ سکے گا جب قبض یا بسط ہو - بہت سے انسان بہیمی لذات میں منہمک ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت کرنا چاہتا ہے ، لہٰذا اگر اس وقت کوئی مانع نہ ہو ، مثلاً قساوۃ النفس اور شیطان کی اطاعت ، تو اس کے دل میں صریح الہام کر دیا جاتا ہے یا کسی ایسی بات کے ضمن میں جو اس بات کی یاد دہانی کرتی ہو کہ اس کی فطرت میں کیا ہے تو یہ ضرور اسے راہ راست کی طرف دعوت دے گا اور اگر وہاں دو صورتیں ہوں ، ایک فرماں برداری کی اور دوسری نافرمانی کی ، تو صرف فرمان برداری کے راستے سے ہی الہام کے دوشالے منور ہوں گے اور وہ اپنے معاملہ میں متردد رہے تا آں کہ مدد ظاہر ہوگی -

کئی ایسے لوگ بھی ہوگئے ہیں کہ وہ ہلاکت میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور اس میں گھر جاتے ہیں - پھر خواہ وہ اللہ کے سامنے عاجزی کریں یا نہ کریں لیکن چوں کہ اسباب سماوی کا ارادہ ان کو مارنے کا نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کے دل میں اس ہلاکت سے نجات پانے کا حیلہ ڈال دیتے ہیں یا کوئی ایسی بات ان کے دل میں ڈال دی جاتی ہے جو نجات کے اسباب تیار کرنے والی ہو - اور پھر یہاں تک کہ یہ سب مل کر ان کی نجات کے مقتضی ہوں یا کسی طبعی امر کو ان کے کمزور کرنے پر لگا دیا گیا ہو - چناں چہ وہ اسے جلا دیں اور نجات حاصل ہو جائے - یہ امر نظام کو تباہ کرنے والا تھا ، لہٰذا اسے ہی تباہ کر دیا گیا -

بہت سے لوگ اچانک گھر گئے تو انہیں خواب یا الہام یا نبی یا محدث کے ڈرانے سے اس سے تحفظ کرنے کی ہدایت کی گئی -

اسی قسم کا وہ قصہ ہے جس میں ایک مومن نے احساس سمعی کے کشف سے بادل کی طرف دیکھا کہ (کہ رہا ہے کہ) فلاں شخص کے باغ کو پانی دو جیسا کہ حدیث مین آیا ہے ۔

بہت سے ایسے لوگ بھی ھیں جن میں اللہ تعالیٰ نے نیک بخت فلکی قوتوں کا اثر دیکھا تو اللہ ان لوگوں کے دلوں میں ، جن کے ساتھ اس کا معاملہ ھوتا ہے مثلاً ساتھی ، بیویاں ، غلام ، ایسی بات ڈال دیتا ہے جس میں اس کی بہتری اور خوش بختی ھوتی ہے یا اس کی رائے میں برکت ڈال دی جاتی ہے ، تو یہ اچھی زندگی کی طرف راہ پا لیتا ہے یا یہ کہ یہ خیر کے قریب ھو جاتا ہے ، مثلاً یہ کہ کسی دوست کی طرف گیا تو اسے اچانک ایسا شخص مل گیا جس نے اس کے ساتھ نیک سلوک کیا یا یہ کہ وہ چل کر پھسلنے والی جگہ تک گیا اور اتفاق سے اس کی ٹانگیں کمزور ھوگئیں (اور وہ گرا اور) ایک خزانے کا اسے پتہ چل گیا ۔ چناں چہ اس وقت لوگ کہیں گے کہ وہ نیک بخت انسان ہے ۔

اور بہت سے لوگ ایسے ھیں کہ اللہ نے ان میں وبالی فلکی قوت کا اثر دیکھا تو لوگوں کے دلوں میں اس کا بغض ڈال دیا ۔ للہذا اس کا مقصود بر نہ آیا اور وہ سوچ و بچار کرتا رھتا ہے مگر وہ موافق نہیں آتا اور کبھی ایسا ھوتا ہے کہ وہ اپنے کسی دوست کے پاس جاتا ہے تو اسے اچانک اس کا دشمن مل جاتا ہے جس سے اسے دکھ پہنچتا ہے ۔ یا اس کے دل میں اس کے ساتھیوں کا بغض ڈال دیا جاتا ہے جو اسے مارتا ہے اور گالیاں دیتا ہے ۔ للہذا یہ مار اور گالیوں کے وبال کو بہت ھی سخت خیال کرتا ہے یا یہ کہ وہ کسی کیچڑ والی زمین پر چلے (اور گر کر) اس کی ٹانگ ٹوٹ جائے تو اس

وقت کہا جائے گا کہ وہ بد بخت ہے ۔

جس بات کا جاننا ضروری ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں اور حکمت الٰہیہ اسے بہت جلد ہونے کا مطالبہ کرے اور اسباب ارضی اس کی موافقت نہ کرتے ہوں تو یہ اسباب اللہ کو اپنی مراد کے پورا کرنے سے روک نہیں سکتے خواہ یہ اسباب کسی قسم کے ہوں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر واقعہ میں غیر متناہی علوم کا علم ہے کہ اگر وہ اس کو قبض کرے اور اس کو بسط دے تو یوں ہو جائے گا ، اور اگر فلاں کو قبض کرے اور دوسرے کو بسط تو یوں ہو جائے گا اور یہ سلسلہ لانہایت تک چلا جائے گا ۔

لمحہ ۴۹

اللہ تعالیٰ حی و قیوم (بذات خود قائم) ہے اور اسے تمام کلیات اور جزئیات کا علم ہے بدون اس کے کہ کسی اور شے کا علم اسے مزاحم ہو ؛ سمیع ہے ؛ بصیر ہے اور تمام ممکنات پر قادر ہے ۔ جس چیز کا فیصلہ کرتا ہے اس کا ارادہ کرتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے ۔ اپنے بندوں کے دلوں میں وحی کرکے کلام کرتا ہے ، یا پردہ کے پیچھے سے انہیں پکارتا ہے یا فرشتہ بھیجتا ہے جو مثال بن کر سامنے آتا ہے ۔ پھر وہ اللہ کے حکم سے جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے ۔ ہر نفس جو کچھ بھی کمائے اس کا نگہبان ہے ۔ لوگوں کے اعمال کا شمار کرتا ہے ، پھر ان اعمال کو ان پر لوٹائے گا اور مطیع کو ثواب دے گا اور عاصی کو سزا ۔ وہ راضی ہوتا ہے اور ناراض بھی ہوتا ہے ، بلند بھی کرتا اور پست بھی ۔ مجبوروں کی دعا سنتا ہے اور مصیبت زدوں کی مصیبت دور

کرتا ہے ۔ ہدایت دینے والا ہے ، حکمت والا ہے ، عادل ہے ۔ وہی کرتا ہے جو حق ہو اور جس میں کسی چیز کے لیے عمومی مصلحت ہو ۔ (ان سب امور کو) وہ تفصیلاً جانتا ہے اگرچہ ہمارا علم اس سے قاصر ہے ۔

ان کلمات کی تفسیر میں غور کرنے سے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ ان صفات کے تحقق کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ یہ ان صفات کے ان مبادی کا وجود ہے جو " انفعالات ، اور ' تجددات ، ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان سے بالا و بلند ہے ، بلکہ ان صفات سے مراد ان کی غایات کا موجود ہونا ہے اور غایات تمام کی تمام تدبیر ، نظام خیر کی رعایت اور ہر حال اور وقت کے مطابق سخاوت کے اندر شامل ہیں ۔ ان امور میں تجددات پائے جاتے ہیں اور یہ سب ایسی قدیم صفت کی طرف لوٹتے ہیں جو فی نفسہا نہ تو جدید بنتی ہے اور نہ اس میں تغیر ہوتا ہے اور یہ جود اور حق کی محافظ ہے ۔ اس کا تجدد صرف یہ ہے کہ یہ ہر اس علم کے حال کے مطابق جو اس کے فیض کو قبول کرنے والا ہو بہت ہی صورتوں اور عجیب تدلیات میں ظاہر ہو ۔ اس نکتہ کو یوں بیان کیا جاتا ہے کہ صفات تو قدیم ہیں مگر ان کے تعلقات حادث ہیں ، اور یہ صفات اس اعتبار سے کہ اللہ طبیعت کلی کا قائم رکھنے والا ہے اس کے لیے ثابت ہیں تا آں کہ یہ طبیعت کلیہ تمام ناسوت اور اس کے اعضا اور قویٰ میں سرایت کر جائے ، اپنی ذات کے اعتبار سے نہیں ۔

چوں کہ تمھارے سامنے تین چیزیں ہیں — زندہ ، مردہ اور جماد — اور حی (زندہ) عالم بالا سے قریب ترین ہے اور اس کے عالم اور مخلوق میں اثر انداز ہونے نے ضروری قرار دیا کہ اسے حی (زندہ) کہا جائے اور چوں کہ ہمارے نزدیک اشیا

کے منکشف ہونے کا نام علم ہے اور حی پر تمام اشیا معہ ان چیزوں کے جو اس کی ذات میں شامل ہیں ، نیز ان چیزوں کے جو موجود ہیں ، تفصیلاً منکشف ہوگئیں ۔ لہٰذا ضروری ہوگیا کہ اسے علیم کہا جائے۔

چونکہ رؤیت (آنکھوں سے دیکھنا) اور سمع (کانوں سے سننا) دیدنی و شنیدنی چیزوں کے لیے مکمل انکشاف ہے اسی طرح وہاں بھی ہے مگر زیادہ مکمل طور پر ، لہٰذا اسے سمیع و بصیر کہنا بھی ضروری ہو گیا اور جب ہم یوں کہتے ہیں: 'فلاں نے ارادہ کیا ، اور ہماری مراد کسی فعل کے کرنے اور اس کے ترک کرنے پر اس کا حسن عزم ہے اور رحمان اکثر افعال اس فعل کی شرط کے پیدا ہونے یا جہان میں استعداد کے پیدا ہونے کے وقت کرتا ہے ۔ لہٰذا اس وقت وہ ان امور کو واجب قرار دیتا ہے جو واجب نہ تھے اور بعض بلند چیزوں میں باوجود اس کے کہ وہ اس کے اذن اور حکم سے نہ تھا اجماع ہو جاتا ہے ۔ اس لیے ضروری ہوگیا کہ اسے 'مرید، کہا جائے ۔ نیز یہ کہ 'ارادۂ واحدہ ازلیہ، جسے اقتضائے ذات سے تعبیر کیا جاتا ہے جب اس کا تعلق تمام کے تمام جہان کے ساتھ بہ یک بار ہوا ۔ پھر ہر روز حوادث آتے رہے تو اس ارادہ کا ہر حادثہ کی طرح علحدہ نسبت دینا بھی درست ہوا اور کہا جاتا ہے کہ اس نے ایسا ایسا ارادہ کیا ۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں نے قدرت رکھی ، اس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ اسے فلاں کام کرنے کی قدرت حاصل ہوئی اور اسے اس کام سے کوئی خارجی سبب نہیں روک سکتا ۔ صرف اتنا ہوتا ہے کہ بعض مقدور چیزوں کو قادر کے لیے ترجیح دی جاتی ہے تو اس وقت قدر کا نام نہیں رہتا ۔ رحمان ہر چیز پر قادر ہے اور

اپنی مہربانی اور اقتضائے ذاتی سے بعض افعال کو ان کے اضداد پر ترجیح دیتا ہے ، لہٰذا اس کا قادر کہلانا ضروری ہو گیا ۔

اور جب ہم یوں کہتے ہیں کہ فلاں نے فلاں سے بات کی تو اس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ ہم ان معانی کو جن کا ہم ارادہ کرتے ہیں ایسے الفاظ کے ساتھ جو ان معانی پر دلالت کرتے ہوں دوسرں تک پہنچائیں اور رحمان اپنے بندے پر بعض اقات بہت سے علوم کا فیضان کرتا ہے اور ان کے ساتھ ان الفاظ کو بھی ان کے خیال میں مرکوز کر دیتا ہے جو ان علوم پر دلالت کرتے ہیں کہ تا اسے ان الفاظ کی تعلیم دینے کی ضرورت پڑے ۔ لہٰذا ضروری ہوگیا کہ اسے متکلم کہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کسی بندے کو یہ حق حاصل نہیں کہ اللہ اس کے ساتھ کلام کرے مگر بذریعہ وحی یا پردہ کے پیچھے سے ، یا رسول بھیجے جس پر اللہ جو چاہے وحی کر دے ۔ اللہ ہر شے پر قادر ہے ۔

لہٰذا وحی دل میں کسی بات کے پھونک دینے کا نام ہے خواہ یہ بذریعہ خواب ہو خواہ اس طرح کہ جب انسان غیب کی طرف متوجہ ہو تو ضروری علم اس کے اندر پیدا کر دیا جائے یا پردہ کے پیچھے سے وہ ایک منظم کلام سنے اور ایسا معلوم ہو کہ وہ کہیں باہر سے کچھ سن رہا ہے اور اس کا کہنے والا دکھائی نہیں دیتا یا قاصد بھیج کر، تو وہ فرشتہ ایک شکل بن کر سامنے آجاتا ہے ۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب نبی کی توجہ غیب کی طرف ہوتی ہے اور حواس خمسہ مغلوب ہوچکے ہوتے ہیں تو اسے گھنٹی کی زنجیر کی آواز سنائی دیتی ہے جس طرح غشی طاری ہوتے وقت سرخ و سیاہ رنگوں کے تخیل سے عارض ہوتا ہے ۔

چونکہ حظیرۃ القدس میں ایسا نظام ہے جس کا انسانوں سے قائم رکھنا مطلوب ہے، لہٰذا اگر انسان اس کے موافق ہوگئے تو ملائے اعلیٰ سے جا ملے اور انہیں تاریکوں سے نکال کر اللہ کے نور اور اس کے 'بسیط' کی طرف لے جایا جاتا ہے اور وہ اپنی ذات میں خوش ہوتے ہیں اور ملائکہ اور بنی آدم کو الہام کیا جاتا ہے کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں۔ اگر وہ اس کی مخالفت کرتے ہیں تو ملائے اعلیٰ ان پر لعنت کرتے ہیں اور ان کو ناراضگی کی سزا ملتی ہے اور ان کو عذاب ہوتا ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا۔ لہٰذا ضروری ہوگیا کہ یوں کہا جائے: راضی ہوگیا اور شکر گذار ہوا یا ناراضگی ہوئی اور لعنت کیا گیا۔ اور یہ سارا نظام عالم بہ تقاضائے مصلحت جاری ہے۔ اکثر نظام عالم میں یوں بھی ہوتا ہے کہ جس چیز کے لیے دعا کی جاتی ہے اسے پیدا کر دیا جاتا ہے۔ چناں چہ کہتے ہیں کہ اللہ نے دعا قبول کر لی۔ پھر یوں بھی ہوتا ہے کہ رؤیت کا لفظ ہمارے استعمال میں مرئی چیز کے مکمل طور پر منکشف ہونے کے لیے ہوتا ہے اور لوگ جب منتقل ہو کر معاد کے ان بعض امور کی طرف جائیں گے تو وہ اس تجلی کے ساتھ جا ملیں گے جو عالم مثال کے وسط میں قائم ہے اور سب کے سب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ لہٰذا یوں کہنا واجب ہوگیا کہ تم عنقریب اپنے آپ کو اس طرح دیکھو گے جس طرح تم چودھویں رات کو دیکھتے ہو، واللہ اعلم بالصواب۔

لمعہ ۵۰

ان احکام کے ظہور کے مطابق جو گذشتہ زمانہ میں اپنے اپنے

وقت پر گذر چکے ہیں اس تدلی کے کئی دور اور کئی طریقے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: 'ہر روز وہ ایک نئی شان میں ہوتا ہے' سے بھی یہی مراد ہے۔ ہم جس دور میں ہیں اس کی ابتدا کے اختلاف کی تشریح اور اس کے آخری دور کی تشریح ہم کریں گے تاکہ اختلاف معلوم کرنے کے لیے یہ ایک قانون بن جائے۔

یاد رکھو کہ اس دور کی ابتدا میں حوادث صرف افلاک اور عناصر کی قوتوں سے صادر ہوتے ہیں۔ لہٰذا ادریس علیہ السلام کے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ وہ کواکب کی حرکات اور خواص کو جان لیں اور ان حرکات و خواص کی وجہ سے واقعات کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی ان واقعات کو جان لیں۔ زمانہ کچھ عرصہ تک اسی طرح چلتا گیا۔ پھر ملائے اعلیٰ کی تعداد بڑھ گئی اور ان کی کثرت اس لیے ہوئی کہ ایسے اتصال پیدا ہوگئے جو ایسے طبیعی ہیکلوں میں (جو عناصر مجاز سے مرکب ہیں) فیضان نفس کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اور نفوس انسانی پیدا ہوگئے اور وہ ان اوصاف سے موصوف ہو گئے جو نفوس فلکیہ کے عالم کے مناسب ہیں۔ پھر مرا تو ملائے اعلیٰ کے ساتھ ایسے بہت سے اسباب لاحق ہوگئے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ لہٰذا جب ملائے اعلیٰ کی کثرت ہوگئی اور ان کے علوم اور ہمتیں ایک دوسرے سے مل گئیں تو حکمت نے یہ واجب قرار دیا کہ ان کی ہمتیں 'شخص اکبر' کے احکام مشخص کر دیں اور کسی نہ کسی صورت میں ان کے مقتضیات کو لازمی طور پر تیار کر دیں۔ لہٰذا اسی دن احکام نجوم باطل ہوگئے۔ میری مراد یہ ہے کہ ہر چیز کے اندر ان کا صریح حکم باطل ہوگیا۔ لہٰذا بڑے بڑے معاملات اور ان کلی ارتفاقات کے علاوہ جن کی

شکلیں منجم کے پاس نہیں ہوتیں علم کا قبل از وقت حاصل کر لینا (خواہ وہ وہمی طور پر ہی کیوں نہ ہو) ممکن نہیں -

وہ امور جن کا ان قوتوں میں (بحیثیت وقوع و عدم وقوع) اختلاف ہوتا ہے اور اس بات کا احتمال ہوتا ہے کہ یہ واقع نہ ہوں اور واقع ہونے کا احتمال قوی ہوتا ہے تو اس قسم کے امور میں منجم کوئی فیصلہ نہیں دے سکتا اور اسباب کا قبض و بسط ملائے اعلیٰ کی جانب سے ہوتا ہے اور جب انسان ملائے اعلیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو نازل ہونے والی قضا کو پہچان لیتا ہے - لہٰذا (اسے) نجوم کے قواعد اور حرکات کو جاننے کی ضرورت نہیں ہوتی - یہی وجہ تھی کہ حضرت ابراہیم کے دل میں علوم پھوٹے اور انہوں نے ملائے اعلیٰ کی طرف متوجہ ہو کر سیاروں سے اعراض کر لیا اور ملائے اعلیٰ کی همت قوی ہوگئی اور اعمال پر مجازات کا فیصلہ ہو چکا اور حوادث اور وقائع میں فلکی قوتوں کا رکن کمزور ہوگیا - شریعت کا حکم مطلق العنان ہوگیا اور قبض ملکی انسان کے بہت ہی قریب آ گیا - اور تدلیٔ اعظم ملت کے لباس میں ظاہر ہوئی اور توجہ الی اللہ کو نماز ، طہارت ، ملائکہ ، کتابوں اور رسولوں پر ایمان کا لباس پہنا دیا گیا اور یہ انوار الٰہی میں لپٹ گئے - پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود (دنیا میں) آیا اور یہ لباس مثالی بن کر آترا تو اس معاملہ کی تکمیل ہوگئی - اسی لیے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکارم اخلاق کی تکمیل کرنے والے تھے -

لمحہ ۵۱

اس تدلی کے انوار اور عکس ہوتے ہیں جنہیں یہ سورج

اور دیگر روشن سیاروں کے اس عکس کی سی شکل میں پیش کرتا ہے جو مختلف مقدار کے آئینوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ ان عکسوں اور انوار کو تجلی اور تدلی بھی کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ان تجلیات کے ثابت ہونے کی وجہ سے یا ان کے خارج میں تحقق کی وجہ سے سچے احکام کا سہارا حق پر ہوتا ہے۔ لہٰذا کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص خواب دیکھتا ہے تو کہتے ہیں کہ فلاں نے اپنے رب کو خواب میں یا بیداری میں دیکھا اور بعض اوقات حق تعالیٰ اسی تجلی کے واسطہ سے ہم سے ہم کلام ہوتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ 'فلاں نے اپنے رب سے کلام کیا'۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ علم کی تجلی کے مطابق کسی مقام پر آئندہ ہونے والے کچھ واقعات واقع ہونے سے پہلے ہی ظاہر ہو جاتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ 'حق کے لیے ایسا ایسا ظاہر ہوا'۔ اور بعض اوقات کسی ایسی جگہ پر جہاں ان انوار کا عکس پڑتا ہے اور تجلیات آپس میں ٹکراتی ہیں ایک قسم کا انبساط و خوشی حاصل ہوتی ہے اور مثال میں اسے ایسی شکل میں پیش کیا جاتا ہے جو اُفق میں صبح کے پھوٹنے کی شکل میں ہوتی ہے۔ چناں چہ کہا جاتا ہے کہ حق مانوس ہوا، ہنسا، راضی ہوا اور خوش ہوا۔ اور بعض اوقات ایسی حالت حاصل ہوتی ہے جو اس کی ضد ہوتی ہے۔ جو انتقام اور بغض کی مثال پیش کرتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ حق نے لعنت کی، ناراض ہوا، غصہ ہوا اور غضب میں آیا۔ شریعت نے اور الفاظ چھوڑ کر ان الفاظ کو محض اٹکل سے استعمال نہیں کیا کیوں کہ شریعت نے اس لغت میں جسے وہ جانتے ہیں ان سے زیادہ واضح الفاظ نہیں پائے۔

لمحہ ۵۲

(یاد رکھو کہ تجلیات کا مرجع خواہ ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو تین اصول ہیں - ایک یہ کہ وہ صورت علمیہ جو معلوم کے مدارک میں حاصل ہوتی ہے انہی کی صورت ہوتی ہے اس طرح کہ اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں - ایک لحاظ سے یہ ایک عرض ہوتی ہے جو نفس عالم کے ساتھ قائم ہوتی ہے لیکن اس وجہ سے یہ معلوم پر صادق نہیں آتی - دوسری وجہ سے معلوم کے ساتھ اس کا ایک قسم کا اتحاد ہو جاتا ہے - اس وجہ سے یہ 'نشأۃ ادراکیہ' میں معلوم کی تجلی ہوتی ہے) اس اصول کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں کو خواب میں دیکھا اور میں نے سورج کو پانی کے پیالے میں دیکھا - لہٰذا جب عارف کی توجہ کسی ایسی صورت کی طرف ہوتی ہے جس کے متعلق اس کا یہ اعتقاد ہو کہ وہ اس کا رب ہے تو وہ ایسی صورت بن کر سامنے آتا ہے جو اس کے اعتقاد کے مطابق ہوتی ہے اور وہ صورت اس کے رب کو اچھی طرح سے ظاہر کر دیتی ہے - نیز یہ صورت عارف کے لیے اپنے نفس کو جاننے کا آلہ بنتی ہے ، لہٰذا جب تک یہ توجہ، یہ اعتقاد اور یہ تعرف باقی رہے گا یہ صورت 'واجب' کی ہوگی اور اسی کی تدلی ہوگی -

دوسرا اصول یہ ہے کہ ملائکہ یا کسی فاضل انسان کے قوی نفس کی ہمت کا تعلق یا عنصری مادہ کے ایک حصہ سے ہوتا ہے یا قوت مثالیہ کے ساتھ ، اس لیے کہ یہ موجودات مثالیہ کے لیے بمنزلہ ہیولیٰ کے ہیں - اگر ان کا تعلق اس طرح ہو کہ یہ حصہ حق کی تعریف اور اس کی صورت ہو تو یہ صورت اس کی تجلی ہوگی اور اگر اس کا

تعلق اس طرح ہو کہ یہ ان کی ملت میں ان کی جمعیت کو اکٹھا کرنے کا باعث بنے ، مثلاً ایسا معاملہ جو تدبیر الٰہی کے حکم سے ہو تو اگر یہ صورت اعراض سے مشابہ ہوگی تو برکت کی باعث ہوگی اور اگر جواہر میں سے ہوگی تو شعائر اللہ کہلائے گی ، جیسے کعبہ ، قرآن ، صلوٰۃ اور شریعت ، اور کبھی ملائکہ کی ہمتوں کا عزم ایک مکان کے ساتھ ہوتا ہے تو وہاں ایک قسم کی برکت ظاہر ہوتی ہے اور اس برکت میں نور الٰہی ظاہر ہوتا ہے ۔)

تیسرا اصول یہ ہے کہ ہر موجود شے میں ایک مخفی حکمت پائی جاتی ہے جو ذات الٰہی کے بالمقابل ہونے سے ابھرتی ہے ۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب ہم گہری نظر سے زید کو دیکھیں تو اس میں ہمیں انسان ، حیوان ، جسم ، ناطق ، حساس ، ذو ارادہ ، نامی ، ماشی ، کاتب ، ضاحک ، شاعر ، رومی ، حبشی وغیرہ امور کا علم ہوگا ۔ ان تمام کا اس پر حکم لگ سکتا ہے اور وہ ہے بھی درست ۔ ان احکام کا درست ہونا اس لیے نہیں کہ اعتبار کرنے والے نے اعتبار کر لیا اور فرض کرنے والے نے فرض کر لیا ، بلکہ اس لیے کہ وہاں خارج میں اس حکم کا منشا موجود ہے جس کی وجہ سے یہ امور صادق آئے ۔ نیز یہ کہ یہ کسی اور حکم کا منشا نہیں ہیں جس کی وجہ سے جھوٹ بن جائیں اور ان میں سے ہر ایک خواہ ذاتیات میں سے ہو خواہ عرضیات میں سے امر کلی ہے جو اس فرد کی نسبت سے متشخص ہوتا ہے اور اس پر منطبق ہوتا ہے ۔ لہٰذا ہر ایک کے بالمقابل اس کی حقیقی جگہ میں کوئی نہ کوئی دقیقہ پایا جاتا ہے اور جو دقیقہ ہمارے اس قول سے پیدا ہوتا ہے وہ موجود بالواجب ہے ۔

اسی سے جاری ہوتا ہے اور اسی کے فیض سے ایک چمک دار نقطہ صادر ہوتا ہے جس کا اشارہ ذات الٰہی کی طرف ہوتا ہے، اسی کی حکایت کرتا ہے اور اسی کا نمونا ہے۔ افراد اور اشخاص سب ایک جیسے نہیں ہیں بلکہ بعض افراد تو ایسے ہیں جن میں دقائق ذاتیہ سافلہ کے احکام غالب ہوتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جن میں دقائق عالیہ کے وہ احکام غالب آتے ہیں جو تدبیر کلی اور مصلحت کلی اور تجرد کے پہلو سے مناسبت رکھتے ہیں۔ واجب کا ان دقائق کو منعکس کرنے سے نہ صرف ہر عارف کے دل میں بلکہ ہر مخلوق کے لیے تجلیٔ الٰہی ہوتی ہے۔ جب ان تینوں اصولوں میں اتفاق ہو جاتا ہے اور یہ ایک ہی جگہ پر وارد ہوں تو یہ تجلیٔ تام اور نور الٰہی ہوتا ہے اور اگر صرف ایک ہی اصل ہو تو اس میں تجلی کے معانی کا ایک معنی پایا جائے گا۔ اس میں غور کریں، کیوں کہ یہ ایک دقیق مسئلہ ہے۔

لمحہ ۵۳

عظیم تجلیات میں سے ایک تجلی وہ ہے جو لوگوں کے لیے قیامت کے دن ظاہر ہوگی۔ چناں چہ وہ اللہ تعالیٰ کو اسی طرح دیکھیں گے جس طرح وہ دنیا میں سورج اور چاند کو دیکھتے ہیں اور اس میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ جس نور کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ ایسی صورت میں ظاہر ہو جو نوع انسان کا امام عطا کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نوع انسان کا امام ان تمام امور کے لیے قانون اور امام ہے جو اس نوع کے اشخاص کو عطا کی جاتی ہیں، اور تو کسی فرد کو اس میزان سے تجاوز کرتا ہوا

نہ پائے گا - لہذا افراد انسان کا اپنے رب کے متعلق اعتقاد اور اس کی معرفت ہر فرد کے لیے ایک حد رکھتی ہے جس سے ان کا اعتقاد کسی طرح تجاوز نہیں کر سکتا - حق تعالیٰ قیامت کے دن اسی حد کی صورت میں تجلی کریں گے - یہ ایک کلی جملی تجلی ہوگی جس میں ان کے لیے ظہور میں کوئی کمی نہ ہوگی لیکن اس تجلی کی حقیقی تشخیص میں ان میں اختلاف ہوگا - چناں چہ ہر ایک اسے اپنے خاص اعتقاد کی صورت کے مطابق دیکھے گا - حدیث میں جو یہ بات آئی ہے کہ حق تعالیٰ منافقین کے لیے ایسی صورت میں ظاہر ہوں گے جسے موحد لوگ نہ پہچان سکیں گے تو اس کا یہی مفہوم ہے -

'تجلی کلی جملی' خارج میں موجود ہے اور اس کی مثال بہت عظیم ہے - اس کی اصل شخص اکبر اور وہ اعتقاد کلی ہے جو انسان کو دیا جاتا ہے - اب رہی تجلیات خاصہ تو وہ انہیں ان کی نگاہوں میں دکھائی دی جائیں گی - مثلاً اگر انسان اپنی آنکھوں پر سرخ رنگ کا شیشہ رکھے تو اسے ہر چیز سرخ دکھائی دے گی اور اگر دوسرا شخص سبز رنگ کا شیشہ رکھے گا تو وہ اسے سبز دیکھے گا حالاں کہ دونوں حالتوں میں چیز ایک ہی ہے -

لمحہ ۴۵

تجلیات میں سے ایک تجلی وہ ہے جو ہر رات کے آخری تیسرا حصہ باقی رہ جانے پر دنیا کے آسمان پر نازل ہوتی ہے - اس کی تحقیق یہ ہے کہ شمس اور زہرہ میں اسرار غیب میں سے ایک راز پایا جاتا ہے - اس راز کا قوی ترین اثر زمین میں اس وقت ہوتا ہے جب یہ دونوں 'اوتاد اربعہ' میں ہوں - چناں چہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ساری تشریح

فرمائی ہے اور ہر چیز کو اپنی مخصوص کیفیت کے ساتھ بیان کیا ہے - چناں چہ زمین کے اوپر جو وتد ہے اس میں یہ خاصیت ہے کہ اس میں اللہ کے سامنے اعمال پیش ہوتے ہیں جس سے مراد اعمال کا مقبول ہونا ہے ، اس لیے کہ سخت ترین وقت وہ ہوگا جب ان کی شعاعوں کا ظہور ہوگا - اور وتد میں بھی طبائع ہیں اور قریب بات یہ ہے کہ ملائکہ زمین میں منتشر ہو جاتے ہیں اور باری باری آتے ہیں - اور اللہ کے پاس اعمال لے جاتے ہیں کیوں کہ ملائکہ کو زہرہ کے ساتھ مناسبت ہے اور عبادت کو شمس کے ساتھ مناسبت ہے - اور جو وتد زمین کے نیچے ہے اس میں ملائکہ منتشر ہوتے ہیں اور ان میں نور الٰہی کی بجلیاں چمکتی ہیں - چناں چہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے آسمان کی طرف اتر کر آتا ہے اور پھر فرماتا ہے : ہے کوئی مغفرت چاہنے والا ؟

اوتاد میں سورج کے استقامت کے وقت کا تعین اسی لیے نہیں کیا گیا بلکہ اس امر میں ان دو حالتوں کے درمیان جو استقامت سے ذرا پہلے اور ذرا بعد ہوتی ہیں تردد پایا گیا کیوں کہ سورج زہرہ کے کبھی آگے ہو جاتا ہے اور کبھی پیچھے جیسا کہ کوئی کشتی میں سوار ہو - یا تو یہ ان کی خاصیت میں مدد کرتی ہے یا کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی، مگر اس لمبی ساعت کے متعلق انھیں غلطی نہیں لگتی - تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ اس گھڑی کا مرکز بہت کم جزو ہے - آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس امید کی گھڑی کے متعلق یہی فرمایا ہے -

لمحہ ۵۵

بعض تجلیات ایسی ہوتی ہیں جو ملائکہ اور فاضل لوگوں

کے نفسوں میں پھیلی ہوتی ہیں - اس کی تحقیق یہ ہے کہ وہ نفوس جو انتہا درجہ کے بلند نفس ہیں اس تجلی کی طرف اپنی استعداد کے مطابق متوجہ ہوتے ہیں اور ان کا معاملہ مختلف رنگ اور مختلف مقدار کے آئینوں کا سا ہے جنھیں چراغ کے گرد رکھ دیا جائے تو اس طرح ہر آئینہ کے مناسب اس میں شکل دکھائی دے گی اور ان سب میں پھیلنے والی شعاع جمع ہو جائے گی - یا اس کی مثال اس سورج کی سی ہے جو مختلف مقدار اور مختلف رنگوں کے حوضوں اور تالابوں پر چمکے تو ان سب میں سورج کی شکل دکھائی دے گی اور جب زمین میں کوئی ایسی صورت پیدا ہو جسے ملائے اعلیٰ پسند کرتے ہوں تو وہ صرف حق میں باقی ہوگی اور ملائے اعلیٰ میں فانی - لہٰذا جس طرح اس تجلی سے نفسوں کی شعاعوں کے مختلف رنگ اترتے ہیں اور یہ رنگ انھیں اپنے اندر شامل کر لیتے ہیں اسی طرح کبھی ان سے ایسی ہیئتوں کا تصور کیا جاتا ہے جو ان شعاعوں میں ایک قسم کی تاثیر کرتی ہیں - اس سے ایک فرضی ہیئت ظاہر ہوتی ہے جسے انس سے تعبیر کیا جاتا ہے - اسی طرح کبھی غصہ کی ہیئت اوپر کو اٹھتی ہے تو اسے ناراضگی اور غصہ کہا جاتا ہے اور کبھی ان شعاعوں میں عنقریب پیدا ہونے والی صورت ظاہر ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ حق کے لیے نئی صورت‌حال پیدا ہوئی اور یہ صورت حال انبیا کے لیے تکلیف دہ ہوتی ہے - جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : کیا تمھارا خیال ہے کہ تمھیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا حالانکہ اللہ کو ابھی یہ معلوم نہیں ہوا کہ تم میں سے کون مجاھد اور کون صابر ہے ؟

چناں چہ یہ اور دیگر آیات اس بات کی تصریح کرتی ہیں کہ

ان کے متعلق علم کا تجدد ہوتا رہتا ہے ۔ ہمارے نزدیک یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یہ متجدد علم اللہ کے لیے صرف اسی تجلی کے ذریعہ سے ثابت ہو سکتا ہے کیوں کہ جب مومنین کے نفس تزکیہ کے رنگ میں رنگے جائیں تو اسی ہیئت میں بلند ہو کر ملائے اعلیٰ تک پہنچ جاتے ہیں ۔ اس کے بعد اس تجلی کی ہیئت بلند ہوتی ہے تو اس بات کے سوا کہ یوں کہا جائے " حق تعالیٰ کو معلوم تھا کہ وہ جہاد کریں گے اسی لیے اس نے انہیں پسند کیا ، کوئی اور چیز اس مفہوم کو زیادہ وضاحت کے ساتھ ادا نہیں کر سکتی ۔

لمحہ ۵٦

تجلیات میں سے ایک تجلی وہ بھی ہے جسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں بہترین صورت میں دیکھا ۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا وغیرہ وغیرہ ۔ اس تجلی کے راز کی تشریح یہ ہے کہ ایک عارف باللہ انسان یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی صفات کاملہ کا اعتقاد رکھتا ہے جن کی نہ کوئی شکل ہے نہ رنگ حالاں کہ ہر صفت کی خاص شکل اور رنگ ہوتا ہے ، مثلاً شجاعت کی مثال اگر ذہن میں آئے تو اس کی صورت شیر کی ہوگی یا ایک نوجوان انسان کی جس نے زرہ پہن رکھی ہو اور ہاتھ میں تلوار ہو ، علی ھذالقیاس (دیگر صفات بھی اسی طرح ہوں گی) ۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس کے حس مشترک میں حق تعالیٰ کی صفات شکل اور رنگ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں ۔ لہٰذا جب یہ صورت ان صفات کی وضاحت کرنے والی اور ان کے جاننے کا ذریعہ ہو تو یہ تجلیات حق میں سے ہوں گی ۔ ایسی صورت میں یہ کہنا درست ہوگا

کہ اس نے حق کو دیکھا یا اسی قسم کے اور الفاظ ۔

لمحہ ۵۷

تجلیات میں سے ایک تجلی وہ بھی ہے جسے موسیٰ علیہ السلام نے طور پر آگ کی صورت میں دیکھا ۔ اس راز کی تشریح یوں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ واجب ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں فرعون کی طرف بھیجے ، نیز یہ کہ اللہ انہیں جس قدر چاہے ایسا یقینی علم عطا کرے جس سے بڑھ کر یقین نہ ہو سکتا ہو اور موسیٰ علیہ السلام نے آواز اور شکل کے ذریعے جن علوم کو حاصل کیا تھا ان میں سے ان کے نزدیک یہ حسی علم ہی سب سے بڑا علم تھا ۔ لہٰذا حکمت الٰہی کا یہ تقاضا ہوا کہ انہیں ایسی آواز سے مخاطب کیا جائے جس کے اللہ کی طرف سے ہونے میں انہیں شک نہ ہو اور غیرمحسوس چیز کو محسوس آواز میں اتارا جائے ۔ لہٰذا ملائے اعلیٰ کے ایک گروہ کے دل میں یہ بات ڈال دی گئی کہ وہ اسی درخت کی طرح جا کر انوار حق میں سے ایک نور اور اس کی صورتوں میں ایک تمثال اور صورت کا تصور کریں ۔ چناں چہ انہوں نے ایک مضبوط تصور (اور ادراک) کیا ۔ ان کے اس تصور نے عالم مثال کا ایک باب کھول دیا جس سے اس مکان کے عنصر یعنی ہوا وغیرہ نے آگ کی صورت اختیار کر لی تاکہ اس سے خطاب حق کی وضاحت ہو جائے اور یہ بمنزلہ اس صورت کے ہے جو آئینہ میں نظر آتی ہے تاکہ دیکھنے والے کی وضاحت کرے ۔ اس قسم کی مثالوں میں ضروری ہے کہ ملائے اعلیٰ کی طرف توجہ ہو تاکہ اس مکان میں جو عنصری رنگ ہیں یہ انہیں اختیار کر سکے ۔

لمحہ ۵۸

تجلیات میں سے ایک تجلی وہ بھی ہے جس کے متعلق عیسائیوں کا خیال ہے کہ لاہوت نے ناسوت کا لباس پہن لیا اور ہندوؤں کا خیال ہے کہ یہ حق تعالیٰ کا کامل انسانوں میں حلول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اشکال کو قرآن مجید میں یہ فرما کر دور کر دیا: 'ہم نے اس کی تائید روح القدس سے کی'۔ تو واضح ہوگیا کہ یہ فی الحقیقت روح القدس کی تائید ہے جسے باطل پرستوں نے اوتار اور حلول بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کے اس قول سے بہت بلند ہے۔

اس تجلی کی حقیقت یہ ہے کہ نفوس کایہ جزئی نفس ہو کر صرف عالم کی اس صورت میں نازل ہوتے ہیں جو اس روز ہو۔ لہذا اگر نفس کلی ایسے دن اترے جس دن سورج اپنے گھر میں ہو تو یوں معلوم ہوگا کہ نفس جزئی میں سورج اپنے گھر میں ہے اور اگر اس وقت اترے جب کہ یہ مشرق میں ہو تو یوں معلوم ہو گا کہ سورج مشرق میں ہے اور اگر اس وقت اترے جب کہ یہ اپنے جیسے گھر میں ہے تو یوں معلوم ہو گا کہ سورج اپنی مثال میں ہے۔ یہ قوت شمس کے درجات اور نفس میں اس کے اثر کے ظاہر ہونے کے مراتب ہیں۔ اس کے نمونے پر یہ جاننا چاہیے کہ جب کلی نفس جزئی نفس میں اترتا ہے تو جزئی نفس میں تجلیٔ اعظم کی صورت ظاہر ہوگی۔ ایسا کیوں نہ ہو، جب کہ یہ تجلیٔ اعظم نفس کلی کا دل ہے اور اسی پر اس کا دارومدار ہے؟ لہذا سورج اور چاند وغیرہ کے مقابلہ میں اس کے ظاہر ہونے کا زیادہ حق ہے اور نفس جزئی میں تجلیٔ اعظم کے بالمقابل نقطہ کو ہماری اصطلاح میں 'حجر بحت' کہا جائے گا۔

ظہور تجلیء اعظم کے مراتب کے اختلاف کی وجہ سے لوگوں کا اس 'حجر بحت' کے بارے میں اختلاف ہے جس طرح ہم نے سورج کے مراتب کے اختلاف کی صورت بیان کی ہے تا کہ یہ 'حجر بحت' بعض لوگوں کے لیے چمک دار اور براق بن جائے۔ اس کے اور تجلیٔ اعظم کے درمیان ایک وسیع گھاٹی ہے۔ تجلیٔ اعظم کا سایہ اس 'حجر بحت' پر پڑتا ہے۔ اس کے بعد اسی 'حجر بحت' کی شعاع روح اور سرّ اور ان دونوں کے درمیانی لطائف پر پڑتی ہے جس کی وجہ سے ایک لحاظ سے انسان 'الٰہی' بن جاتا ہے اور ایک لحاظ سے ناسوتی اور معجز نما کمال کی طرف نکل آتا ہے اور اس کے ناقص نفوس کی تکمیل خداوندی بلند برکات کے فیضان اور گناہوں کے کفارہ کے سلسلہ میں خاص طور پر خارق عادت آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مخلوق کے اندر نکلنے والی تجلیوں میں سے ایک تجلی نکلتی ہے اور وہ ذرا کم درجہ کی چمک ہوتی ہے اور کبھی اس میں اختلاف نہیں ہوتا، جب لوگوں کا انتہائی گمان یہی ہو کہ یہ خداوندی اوتار ہے یا کسی نفس کے اندر حق تعالیٰ کا حلول ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کو دور کرتے ہوئے فرمایا: یہ تو نفسوں کے اندر روح القدس کی تائید ہے اور روح القدس یہی تجلیٔ اعظم ہے اور اس کی تائید یہ ہے کہ یہ اس کی برکات میں داخل ہو جائے اور اس کا سایہ ایک صورت اختیار کر لے جس سے یوں معلوم ہو کہ یہ وہی ہے۔

لمحہ ۵۹

تجلیات میں سے ایک تجلی وہ بھی ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن میں فرمایا گیا ہے: آسمان سے لے کر زمین

تک کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے ، پھر عرش کو چڑھ جاتا ہے ایک دن میں جس کی مقدار تمھارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہے - نیز اس قول میں : ہر روز وہ ایک نئی شان میں ہوتا ہے - اس طرح کہ جب آسمانوں اور زمینوں کے احوال اس حد تک پہنچ چکے ہوں کہ مصلحت کلی واجب قرار دے کہ تجلیٔ اعظم اپنے پہلے رنگ کے علاوہ کسی اور رنگ میں رونما ہو - اس وقت اس کی کلی شان ہوگی اور تجلیٔ اعظم نازل ہوگی - یہ اسی طرح ہے جس طرح عالم مثال کے اندر ایک انسانی مورتی ہو - اس بات نے کہ ایک چیز حق کی بنا پر کسی اور چیز کی مورتی ہے بعض اعراض اور جواہر کو بعض موجودات کے لیے فطری طور پر مناسب بنا دیا ہے جس طرح تو زید کو خیال کرے کہ وہ سرخ اور لمبا ہے اور عمرو سیاہ اور کوتاہ ہے تو اس طرح تمھارے ذہن کے اندر دو مختلف صورتیں آئیں گی - اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کے رنگ اور مقدار مختلف ہیں بلکہ اس لیے کہ وہاں کچھ فطری مناسبت پائی جاتی ہے ، ایک کی ایک کے ساتھ اور دوسرے کی دوسرے کے ساتھ ، تاکہ تمام مخلوقات کا فطری طور پر ایک دوسرے سے امتیاز ہو سکے - یہی حال عالم مثال کا ہے کہ وہاں بھی بعض دیگر مخلوق سے ممتاز ہیں ، برخلاف تجلیٔ اعظم کے - پھر یہ تجلی بعض فلکی قرانات میں زمین کی طرف اترتی ہے تو ملائکہ اس تنزیل کے حکم کی مدد کرنے میں لگے رہتے ہیں اور ان تمام امور کی مدد کرنا ترک کر دیتے ہیں جن کا رسوا کرنا اس تنزیل نے واجب قرار دیا ہو ، اس لیے کہ مطیع وہ ہے جو تنزیل کے مطابق حق کے حکموں کی اطاعت کرے اور عاصی وہ ہے جو اس

تنزیل کے مطابق حق کی نافرمانی کرے تا آں کہ تجلیٔ اعظم کی صورت پلٹ جائے اور وہ کوئی اور طرز بدل لے ۔ اور جب تجلیٔ اعظم کوئی اور طرز اختیار کر لیتی ہے تو کوئی اور تنزل اوپر کو چڑھ جاتا ہے اور اس کے احکام پھیل جاتے ہیں ۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے فرمان : ' وہ آسمان سے زمین تک کے امور کی تدبیر کرتا ہے ، کا مطلب یہ ہے کہ وہ جہان اور اس کے نظام کی تدبیر کرتا ہے جس کی یہ صورت ہوتی ہے کہ یہ حکم ' شخص مثالی ، بننے کے بعد زمین کی طرف اترتا ہے ، پھر ملائکہ اس کے لیے مسخر کر دیے جاتے ہیں اور جہان کو اس کے لیے تیار کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ جب اس کی مدت ختم ہو جاتی ہے تو یہ حکم بلند ہو کر اللہ کی طرف چلا جاتا ہے اور اسی قسم کا دوسرا حکم آ جاتا ہے ۔ اس طرح نزول اور عروج کا اجتماع ایک لمبی مدت تک ہوتا رہتا ہے ۔ جب آخری* (نزول یا عروج) ختم ہو جاتا ہے تو پہلا لوٹ آتا ہے ۔ بالعموم اس مدت کی مقدار تخمیناً ایک ہزار سال ہوتی ہے اور اسی طور کے ہوتے ہوئے اکابر انبیا مبعوث ہوتے ہیں جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ کون سی شرع ان قرنوں کے مناسب ہے ۔ الہذا وہ لوگوں کے لیے اس شخص کو کھڑا کر دیتا ہے جو انھیں اس شریعت کی خبر دے اور اس طور کا ترجمان ہو ۔ غیر انبیا کو پہلی شریعت کا صرف مجدد بنا کر بھیجا جاتا ہے تاکہ وہ ان لوگوں کے لیے رحمت بنیں اور ان کے نفسوں کی تکمیل کریں ۔

*اصل کتاب میں ' کل من أنقض ، دیا ہے ۔ میں نے " کلما انقضیٰ ،، پڑھ کر ترجمہ کیا ہے ۔

لمحہ ۶۰

جب تو نے ان چاروں کمالات کو جان لیا تو تو جان لے کہ حقائق کی تعریف کرنے میں تمام انبیا کا مسلک یہی رہا ہے کہ وہ لاھوت ، عقل، نفس اور ہیولیٰ کے متعلق خاموش رہیں - چناں چہ پہلی بات جو وہ اپنی امتوں کو بتاتے ہیں یہ ہے کہ مفہوم دو لفظوں پر منحصر ہے : موجود اور معدوم - موجود سے ان کی مراد وہ ہے جو خارج اور اعیان میں ہو، یعنی جو نفس اور ہیولیٰ میں ثابت ہو چکا ہو، اور یہی وہ چیز ہے جسے ہم ' خارج ' کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں - اور معدوم سے وہ چیز مراد ہے جو خارج میں نہیں ، خواہ وہ درحقیقت خارج میں ہو یا وجود سے پہلے ثبوت کے مرتبہ میں ہو - اور موجود یا تو واجب اور قدیم ہوگا یا ممکن اور حادث -

لہذا واجب جو خارج میں موجود ہے وہ ہے جس کا وجود بذات خود ہو - ان کی واجب سے مراد وہ تجلی ہے جسے خارج نے شروع شروع میں ظاھر کیا اور وہ مجرد ہے اور جانب اعلیٰ کی جہت سے نفس سے پاک ہے - اور ممکن سے ان کی مراد وہ ہے جو نفس کی نچلی جانب کے ساتھ ملا ہو، اور ممکن سے ان کی مراد وہ تغیر پذیر ہے جس کے وتد میں کون و فساد واقع ہو اور ہر ممکن حادث ہے اور ہر ممکن اللہ کے ارادہ سے ہوتا ہے اور حوادث کے اندر حکم لگانا کچھ اور چیز ہے اور ارادہ کچھ اور ، کیوں کہ ان کا ثابت کرنا ان کے مباحث میں شامل نہیں -

الحمد للہ اولاً وآخراً و ظاھراً و باطناً

لمحات

از شاہ ولی اللہ دہلوی

مترجم

پیر محمد حسن



ادارۂ ثقافت اسلامیہ

کلب روڈ، لاہور